ڈاکٹر انور سدید کی کالم نگاری کا موضوعاتی جائزہ

مقالہ برائے ایم فل اُردو

مقالہ نگار:

مدثر خان

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

جنوری ۲۰۱۸ء

ڈاکٹر انور سدید کی کالم نگاری کا موضوعاتی جائزہ

مقالہ برائے ایم فل اُردو

مقالہ نگار:

مدثر خان

ایم۔ فل (اُردو)

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا

فیکلٹی آف لینگویجز

(اُردو زبان وادب)

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

دسمبر ۲۰۱۸ء

مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم

زیرِ دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف لینگویجز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: ڈاکٹر انور سدید کی کالم نگاری کا موضوعاتی جائزہ

پیش کار: مدثر خان رجسٹریشن نمبر: 1202/M/U/S16

ماسٹر آف فلاسفی

شعبہ: شعبہ زبان وادب اُردو

ڈاکٹر فوزیہ اسلم ____________

نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد سفیر اعوان ____________

ڈین فیکلٹی آف لینگویجز

بریگیڈئیر محمد ابراہیم ____________

ڈائریکٹر جنرل

____

تاریخ

اقرار نامہ

میں مدثر خان حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا مواد میرا ذاتی ہے اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد کے ایم۔ فل سکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر فوزیہ اسلم صاحبہ کی زیر نگرانی مکمل کیا گیا ہے۔ میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لئے پیش نہیں کیا ہے اور نہ آئندہ کروں گا۔

____

مدثر خان

مقالہ نگار

فہرست ابواب

مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم iii

اقرار نامہ iv

فہرست ابواب v

مقالے کا دائرہ کار vii

Abstract viii

مقالے کا مقصد ix

اظہار تشکر x

باب اول: ڈاکٹر انور سدید اور کالم نگاری: تعارف 1

(الف) تعارف 1

(ب) کالم نگاری فن اور اقسام 4

(ج) پاکستان میں اُردو کالم نگاری کی روایت 11

(د) ڈاکٹر انور سدید: مختصر تعارف 20

(ز) ڈاکٹر انور سدید کی کالم نگاری کا اجمالی جائزہ 25

حوالہ جات 28

باب دوم: ڈاکٹر انور سدید کے کالموں میں سیاسی موضوعات 30

(الف) ڈاکٹر انور سدید کے عہد کا سیاسی منظر نامہ 30

(ب) قومی سیاست 46

(ج) عالمی سیاست 55

حوالہ جات 63

باب سوم: ڈاکٹر انور سدید کے کالموں میں ادبی موضوعات 65

(الف) ڈاکٹر انور سدید کے عہد کا ادبی منظر نامہ 65

(ب) ادیب اصناف، کتب اور رسائل 74

(ج) ادبی شخصیات 80

حوالہ جات 88

باب چہارم: متفرق موضوعات 90

(الف) صحافت اور صحافتی شخصیات 91

(ب) قومی اور دیگر مسائل 97

حوالہ جات 102

باب پنجم: مجموعی جائزہ 104

(الف) ماحصل 104

(ب) نتائج 111

(ج) سفارشات 112

کتابیات 113

مقالے کادائرہ کار

میری تحقیق کا عنوان ''ڈاکٹر انور سدید کی کالم نگاری کا موضوعاتی جائزہ'' ہے۔اس مقالے میں ڈاکٹر انور سدید کے ان کالموں کا موضوعاتی جائزہ لیا گیا ہے۔جو روزنامہ ''نوائے وقت'' ہفت روزہ ''ندائے ملت'' اور ہفت روزہ ''فیملی میگزین'' میں شائع ہوتے رہے ہیں۔میں نے اپنے مقالے کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

پہلے باب میں کالم کی تعریف اور کالم کی مختلف اقسام بیان کی گئی ہیں۔اسی باب میں ڈاکٹر انور سدید کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے اور ان کی کالم نگاری کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے۔

دوسرے باب میں ڈاکٹر انور سدید کے عہد کا سیاسی منظر نامہ بیان کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ڈاکٹر انور سدید کے کالموں میں موجود سیاسی موضوعات کا جائزہ لیا گیا ہے اور ان موضوعات کو ان کے عہد کے سیاسی تناظر میں دیکھا گیا ہے۔

تیسرے باب میں ڈاکٹر انور سدید کے عہد کا ادبی منظر نامہ پیش کیا گیا ہے اور ان کے کالموں میں موجود ادبی موضوعات کا جائزہ لیا گیا ہے اور ان موضوعات کو ڈاکٹر انور سدید کے عہد کے ادبی تناظر میں دیکھا گیا ہے۔

چوتھے باب میں ڈاکٹر انور سدید کے کالموں میں موجود متفرق موضوعات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

پانچواں باب تحقیق کا ماحصل ہے۔اس باب میں مجموعی جائزہ پیش کیا گیا ہے نتائج اخذ کئے گئے ہیں اور باب کے آخر میں تحقیق کے دوران سامنے آنے والی سفارشات کو پیش کیا گیا ہے۔

ABSTRACT

The topic of my research is about the columns of Dr. Anwar Sadeed. In this research I analyzed the topics of Anwar Sadeed's columns. I analyzed those columns which were published in the daily "Nawa-i-Waqt", weekly "Nida-i-millat" and weekly "Family Magzine". I divided my thesis in five chepter.

First chapter is about the definition of column, types of column and introduction of Dr. Anwar Sadeed and his columns.

Second chapter is about the political scenario of the era of Dr. Anwar Sadeed. In this chapter I also analyzed the topics of those columns of Dr. Anwar Sadeed which are on political issues.

Third chapter is about the literary scenario of the era of Dr. Anwar Sadeed. In this chaptr I also analyzed those columns of Dr. Anwar Sadeed which are on literary topics.

Fourth chapter is about the miscellaneous topics of those columns which were written by Dr. Anwar Sadeed.

Fifth chapter is overall analysis of this research work. In this chapter results of this research work concluded. I made some suggestion at the end of this research.

مقالے کا مقصد

اُردو ادب اور اُردو صحافت کا آپس میں گہرا رشتہ ہے۔ کالم ایک ایسی صنف ہے جس میں صحافت کے ساتھ ساتھ ادب کی چاشنی بھی موجود ہوتی ہے۔ کالم نہ صرف اپنے عہد کے موضوعات کو سامنے لاتا ہے بلکہ اپنے عہد کے مختلف واقعات پر صحت مند تبصرہ اور درست معلومات فراہم کر کے لوگوں کی راہنمائی بھی کرتا ہے۔ کالم صحافت اور ادب کے درمیان پل کا کام کرتا ہے۔ کسی بھی عہد کی سیاسی یا ادبی تاریخ کو جاننے کے لیے اس عہد کے کالم معاون تحریروں کا کالم دیتے ہیں۔ کالم نویسی کی اسی اہمیت کے پیش نظر تحقیق کے لیے یہ موضوع منتخب کیا گیا ہے۔ اس مقالے کا مقصد ڈاکٹر انور سدید کی کالم نگاری کا موضوعاتی جائزہ لینا ہے۔ اس تحقیق کے دوران اس بات کا جائزہ لیا جائے گا کہ ڈاکٹر انور سدید کے کالموں کے موضوعات کی نوعیت کیا ہے۔ وہ اپنے عہد کے سیاسی منظر نامے کو کس حد تک بیان کر سکے ہیں۔ اس تحقیق میں دیکھا گیا ہے کہ ڈاکٹر انور سدید کے کالم قومی سیاست اور عالمی سیاست کا کس طرح احاطہ کئے ہوئے ہیں۔

اس مقالے میں عہد سدید کے سیاسی منظر نامے کے ساتھ ساتھ اُس دور کے ادبی منظر نامے کو بیان کیا گیا ہے اور یہ جانچنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ڈاکٹر انور سدید اپنے دور کے ادبی حالات کی کس طرح عکاسی کرتے ہیں۔ ادبی اور سیاسی موضوعات کے علاوہ زندگی کی دیگر شعبوں اور دیگر مسائل کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس پر بھی بحث کی جائے گی۔

اظہارِ تشکر

میں خدائے بزرگ و برتر کے جملہ احسانات کا اقرار کرتے ہوئے اپنے والدین کا ممنون ہوں جن کی رہنمائی اور دعاؤں نے ہر پل میرا ساتھ دیا۔ اس کے علاوہ صدر شعبہ اُردو پروفیسر ڈاکٹر روبینہ شہناز صاحبہ اور رابطہ کار ایم فل/پی ایچ ڈی کورس کا شکر گزار ہوں جن کی اعانت میرے لئے بطور شفیق اُستاد رہی۔

جملہ اسٹاف شعبہ اُردو کا شکر گزار ہونے کے ساتھ ساتھ میں نگران مقالہ ڈاکٹر فوزیہ اسلم صاحبہ کا بھی مشکور ہوں جنہوں نے ہر لمحہ میری ہمت افزائی کی اور قدم قدم پر میری رہنمائی فرمائی ہے۔ اس کے علاوہ میں اپنے تمام ہم جماعت طلباء و طالبات کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے کتب کی فراہمی اور مواد کی دستیابی میں میری اعانت کی۔ اس کے علاوہ ان تمام لوگوں کا شکریہ جو اس تحقیق کی تکمیل میں میرے ہمراہ رہے۔

مدثر خان

باب اول

ڈاکٹر انور سدید اور کالم نگاری: تعارف

ا۔ تعارف

موضوع کا تعارف

دینائے ادب کے معروف شاعر، انشائیہ نگار، سفر نامہ نگار، خاکہ نگار، نقاد، محقق اور کالم نگار ڈاکٹر انور سدید ۴ دسمبر ۱۹۲۸ء کو سر گودھا پیدا ہوئے۔ ڈاکٹر انور سدید کو بہترین کالم نگاری پر آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی ایوارڈ (A.P.N.S) مل چکا ہے۔ کالم نگاری ایک ہر دلعزیز اور بے حد موثر صنف نثر ہے۔ اسے ایک ادبی صنف سمجھا جاتا ہے۔ چونکہ اسے صرف اخبار اور رسائل کے لیے لکھا جاتا ہے۔ اس لیے اسے علم صحافت سے الگ کرنا ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کالم نگاری کو دنیائے ادب و صحافت اپنی اپنی میراث سمجھتی ہیں۔ کالم نگاری نے اُردو زبان و ادب کی بے پناہ خدمت کی ہے۔ اُردو کے نثری ادب میں کالم نگاری کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔ میرے تحقیقی مقالے کا موضوع ''ڈاکٹر انور سدید کی کالم نگاری کا موضوعاتی جائزہ'' ہے۔ ڈاکٹر انور سدید اُردو کالم نگاروں میں ایک ایسے کالم نگار ہیں جو اپنی الگ پہچان رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید اپنے تخلیقی ذہن اور اسلوب کے زور پر مشکل سے مشکل بات کو آسانی سے کہہ دیتے ہیں۔ انھوں نے پاکستان کے مختلف اخبارات میں کالم لکھے ہیں۔ کالم لکھنے کے لیے وسیع، تجربے گہری بصیرت اور فکر و نظر کی ضرورت ہوتی ہے۔ کالم نویسی زندگی کے تمام شعبوں کا احاطہ کرتی ہے۔ اس مقالے میں کالم نگاری کے بنیادی اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ڈاکٹر انور سدید کی کالم نگاری کے موضوعات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جائے گا۔

موضوع کی اہمیت

کسی بھی ریاست کے تین ستون ہوتے ہیں۔ مقننہ (Legislature)، ایگزیکٹو (Executive) اور عدلیہ (Judiciary)۔ موجودہ زمانے میں صحافت کی اتنی اہمیت ہے کہ اس کو ریاست کا چوتھا ستون قرار دیا گیا ہے۔ کالم صحافت اور ادب کی ایک اہم صنف ہے۔ جس تک عوام اور خواص کی رسائی ممکن ہے۔ چنانچہ کسی بھی مسئلے پر لوگوں کی ذہن سازی کرنے کے لیے کالم نگاری ایک بہترین طریقہ ہے۔ چنانچہ کالم نگاری کے اس موضوعاتی جائزے سے یہ بات سامنے آئے گی کہ کالم نہ صرف اپنے عہد کے موضوعات کو سامنے لاتا ہے بلکہ اُن پر ایک صحت مند تبصرہ پیش کر کے لوگوں کو راہنمائی فراہم کرتا ہے۔ کالم صحافت اور ادب کے درمیان ایک پُل

کا کام کرتا ہے۔ جہاں صحافت اور ادب باہم مل جاتے ہیں اور دونوں مل کر معاشرتی برائیوں، سماجی ناانصافیوں، سیاسی تبدیلیوں اور معاشی مسائل سامنے لاتے ہیں۔ جس میں صحافت اور ادب کی چاشنی مل کر منفرد اسلوب کے ساتھ مختلف موضوعات کو سامنے لاتی ہے۔

بیان مسئلہ

ڈاکٹر انور سدید کے کالموں میں سماجی، سیاسی ، ادبی اور تاریخی موضوعات شامل ہیں۔ اُن کے موضوعات کا جائزہ لے کر اُس وقت کے سیاسی اور سماجی حالات کو سامنے لایا جائے گا۔ اور دیکھا جائے گا کہ اُن کے کالم اپنے عہد کے سیاسی اور سماجی حالات کی عکاسی کرتے ہیں یا نہیں۔

مجوزہ موضوع پر ما قبل تحقیق

مجوزہ موضوع پر اس سے قبل جامعاتی اور غیر جامعاتی سطح پر تحقیقی اور تنقیدی کام نہیں ہوا کسی بھی ادارے یا یونیورسٹی نے مجوزہ موضوع پر کسی بھی قسم کا تحقیقی کام نہیں کروایا۔اس لیے یہ بات واضح ہے کہ ڈاکٹر انور سدید کے کالموں پر تحقیقی کام ہو سکتا ہے۔ڈاکٹر انور سدید ہمہ جہت شخصیت ہیں اور اُن کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر جامعاتی سطح پر تحقیق ہو چکی ہے۔ جن میں ''ڈاکٹر انور سدید کی ادبی خدمات''، ''ڈاکٹر انور سدید بطور نقاد''، ''ڈاکٹر انور سدید کی انشائیہ نگاری''، ''ڈاکٹر انور سدید بطور افسانہ نگار'' جیسے موضوعات شامل ہیں۔

تحدید

ڈاکٹر انور سدید مختلف اخبارات اور رسائل میں کالم لکھتے رہے ہیں۔ڈاکٹر انور سدید کے کالم روزنامہ ''نوائے وقت''، روزنامہ ''خبریں''، روزنامہ ''حریت''، روزنامہ ''جسارت'' اور روزنامہ ''مشرق'' میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ہفت روزہ ''ندائے ملت''، ہفت روزہ ''فیملی میگزین'' میں بھی ان کے ہفتہ وار کالم شائع ہوتے رہے ہیں۔ مجوزہ تحقیقی کام ڈاکٹر انور سدید کے ہفتہ وار کالموں کے موضاعاتی جائزے پر مشتمل ہو گا۔ جو مختلف اوقات میں روزنامہ ''نوائے وقت'' ہفت روزہ ''ندائے ملت'' اور ہفت روزہ ''فیملی میگزین'' میں شائع ہوتے رہیں ہیں۔

مقاصد تحقیق

مجوزہ تحقیق میں درج ذیل مقاصد پیش نظر ہوں گے۔

۱۔ ڈاکٹر انور سدید کے کالموں کا موضوعاتی جائزہ لینا

۲۔ ڈاکٹر انور سدید کی کالم نگاری میں روح عصر کی تلاش کرنا

۳۔ ڈاکٹر انور سدید کے عہد کی سیاسی و سماجی صورتحال کو ان کے کالموں کی روشنی میں دیکھنا

تحقیقی سوالات

مجوزہ تحقیق میں درج ذیل تحقیقی سوالات پیش نظر ہوں گے۔

۱۔ ڈاکٹر انور سدید کے کالموں کے موضوعات کی نوعیت کیا ہے۔

۲۔ ڈاکٹر انور سدید کے کالم ان کے عہد کے سیاسی رجحانات کی کس حد تک ترجمانی کرتے ہیں۔

۳۔ ڈاکٹر انور سدید کے کالم ان کے عہد کے ادبی رجحانات کی کس حد تک ترجمانی کرتے ہیں۔

پس منظری مطالعہ

ڈاکٹر انور سدید کی نثر ایک وسیع پس منظر رکھتی ہے۔ کالم بھی نثری ادب کی اہم صنف ہے۔ اس ضمن میں اُردو کالم نگاری کا تاریخی اور سیاسی پس منظر نگاہ میں رکھنا ضروری ہے۔ ہر عہد میں صحافتی زبان اور طریقہ کار میں تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں۔ جس کی مختلف وجوہات ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر انور سدید کے ہم عصر کالم نگاروں کی تخلیقات، اُس عہد کی ادبی اور صحافتی فضا، بدلتے ہوئے رجحانات اور زبان و بیاں کا مطالعہ ڈاکٹر انور سدید کی کالم نگاری کو سمجھنے کے لیے نہایت ضروری ہے۔

نظری دائر کار

ڈاکٹر انور سدید کے کالموں کا مطالعہ کر کے اُن کے موضوعات کا جائزہ لینا اور اُس وقت کی سیاسی اور سماجی صورتحال کو ڈاکٹر انور سدید کے کالموں کے تناظر میں دیکھنا ہے۔

تحقیقی طریقہ کار

اس مقالے کی تکمیل کے لیے تحقیقی اور دستاویزی طریقہ کے تحت تحقیق کی جائے گی۔ اس مقالے کی تکمیل کے لیے بنیادی ماخذ وہ اخبارات اور رسائل ہیں جن میں ڈاکٹر انور سدید کے کالم شائع ہوتے رہے ہیں۔ اس سلسلے میں نیشنل لائبریری آف پاکستان اسلام آباد میں موجود اخبارات اور رسائل کے ذخیرے سے استفادہ کیا جائے گا۔ یہی نہیں بلکہ اس تحقیقی مقالے کے سلسلے میں مختلف تحقیقی مقالات، انٹرویوز، انٹرنیٹ اور اس عہد

کی دیگر ادبی تحریروں سے بھی استفادہ کیا جائے گا اور حاصل شدہ مواد کی جانچ پرکھ کر کے اُس کو تحقیقی مقالے کا حصہ بنایا جائے گا۔

ب۔ کالم نگاری فن اور اقسام

کالم لاطینی زبان کے لفظ Columna سے بنا ہے۔ سب سے پہلے یہ لفظ لاطینی سے انگریزی زبان میں وارد ہوا ہے۔ کالم کے لغوی معنی لاٹھ، کھمبا یا ستون کے ہیں۔ اس کے علاوہ لفظ کالم کئی دوسرے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ مثلاً مختلف اعداد کو جب کسی حسابی عمل کے لیے اوپر نیچے لکھا جائے تو اسے Column of figures کہتے ہیں۔ فوج کا دستہ کالم آف سولجر کہلاتا ہے۔ اس کے علاوہ ایسے عناصر جن کی ہمدردیاں وطن دشمن عناصر کے ساتھ ہوں انھیں ففتھ کالم کہتے ہیں۔

مختلف لغات اور ماہرین کی آراء کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ کالم سے مراد ایک لمبا ٹھوس عمودی کھمبا، عام طور پر پتھروں سے بنا ہوا گول ستون جو کسی عمارت کو سہارا دینے کے لیے بنایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ستون شکل کی کوئی بھی چیز جیسے دھویں کا ستون کی شکل میں سیدھا اوپر اُٹھنا۔ اس کے علاوہ کسی رسالے یا اخبار کے صفحات کی عمودی تقسیم کو بھی کالم کہتے ہیں۔ مثلاً زیادہ تر اخبارات کے صفحات ایک جیسے آٹھ عمودی خانوں میں تقسیم کیے ہوئے ہوتے ہیں۔ کسی بھی جز کی اہمیت کے پیشِ نظر اس خبر کو ایک یا ایک سے زیادہ کالموں میں جگہ ملتی ہے۔ اگر خبر کی اہمیت اتنی زیادہ نہ ہو تو اس کو صرف ایک کالم میں جگہ ملتی ہے اور اُسے یک کالمی خبر کہتے ہیں۔ اگر کسی خبر کی اہمیت بہت زیادہ ہو تو اسے شہ سرخی کہتے ہیں اور شہ سرخی آٹھ کالموں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اسے آٹھ کالمی خبر کہتے ہیں۔

نور اللغات میں لفظ کالم کے دو لغوی مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ نور اللغات میں لفظ کالم کے تحت لکھا ہے: ا۔ صفحے کا حصہ جیسے نور اللغات کے ہر صفحے میں دو کالم ہیں۔ ۲۔ فوج کا دستہ۔ ۱

فرہنگ اصطلاحات جامعہ عثمانیہ میں لفظ کالم کے ضمن میں لکھا ہے: قطار، عمود خانہ، کالم، ستون۔ ۲

جامع اللغات میں لکھا ہے: کالم (انگ، مذکر) صفحہ کا ایک حصہ اوپر سے نیچے تک، فوج کا دستہ۔ ۳

آکسفورڈ ڈکشنری میں کالم کے مندرجہ ذیل مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔

(1) An upright pillar supporting a structure or standing alone as a monument (2) a line of people or vehicles moving in the same direction (3) a vertical division of a page or piece of writing (4) a regular section of a newspaper or magazine on a particular subject or by a particular person. 4

لفظ کالم کے ضمن میں کی گئی مندرجہ بالا بحث اور مختلف لغات میں لفظ کالم کے مفہوم کا جائزہ لینے سے کالم کے مندرجہ ذیل معانی سامنے آتے ہیں۔

۱۔ عمودی خانے

۲۔ عمودی ستون

۳۔ دھوئیں کا عمودی طور پر اوپر اُٹھنا

۴۔ فوجی دستے کی ترتیب جس میں ایک کے پیچھے دوسرا سپاہی کھڑا ہوتا ہے اور ہر سپاہی ایک سے زیادہ لائنوں میں کھڑا ہوتا ہے۔

۵۔ مختلف اعداد کو کسی بھی حسابی عمل کی غرض سے اوپر نیچے لکھنا۔

۶۔ اخبارات میں لکھی گئی مخصوص تحریریں۔

کالم کے لغوی مفہوم کا جائزہ لینے کے بعد اب کالم کے اصطلاحی مفہوم کا جائزہ لیا جائے گا۔

اصطلاحی معنوں میں کالم سے مراد ایک ایسی صنف تحریر ہے جو باقاعدگی کے ساتھ کسی خاص عنوان کے تحت کسی اخبار میں شائع ہوتی ہے۔ اگر کالم کے اصطلاحی مفہوم کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اُردو صحافت کے مختلف ماہرین اور کالم نگاروں نے کالم کی اپنے اپنے انداز میں تعریف کی ہے۔ ڈاکٹر عبد السلام خورشید کالم کی تعریف یوں کرتے ہیں۔

> ہر اخبار میں کچھ عنوانات ہوتے ہیں جن کے تحت خبریں، اعلانات اور معلومات پیش کی جاتی ہیں اور بعض کے تحت مزاحیہ، دینی، طبّی اور سائنسی معلومات پیش کی جاتی ہیں اور پس منظری مواد دیا جاتا ہے۔ موخر الذکر مستقل عنوانات کے تحت چھپنے والی تحریروں کو صحافتی اصطلاح میں کالم یا خصوصی کالم کہتے ہیں اور لکھنے والے کے لیے کالم نویس یا کالم نگار کی اصطلاح رائج کی جاتی ہے۔۵

مندرجہ بالا اقتباس کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ کالم کسی بھی اخبار میں مستقل عنوان کے تحت چھپنے والی تحریر کو کہتے ہیں۔ چونکہ اخبارات میں تازہ واقعات اور حالات پر ہی خبریں شائع کی جاتی ہیں۔ چنانچہ اس مناسبت سے کالم میں بھی تازہ حالات اور واقعات پر اظہار خیال کیا جاتا ہے اور خبر کے پیچھے چھپے ہوئے محرکات اور اسباب کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ کالم مختلف انداز میں لکھے جاتے ہیں یہ مزاحیہ انداز میں بھی ہو سکتے ہیں اور سنجیدہ انداز میں بھی ہو سکتے۔ ہر کالم نگار کا اپنا مخصوص انداز بیان یا اسلوب ہوتا ہے۔

کالم کسی مخصوص عنوان کے تحت روزنامہ یا ہفت روزہ میں باقاعدگی سے شائع ہوتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں بے شمار موضوعات بکھرے پڑے ہیں۔ ہر روز ہزاروں خبریں اخبارات کی زینت بنتی ہیں۔ مختلف کالم نگار اپنے اپنے انداز میں ان موضوعات اور خبروں پر کالم لکھتے ہیں اور مختلف، سیاسی، غیر سیاسی، ثقافتی اور طبّی موضوعات پر اپنے خیالات اور نقطہ ہائے نظر کو پیش کرتے ہیں۔ ''ڈاکٹر مسکین علی حجازی کالم کی تعریف یوں کرتے ہیں: کسی مستقل عنوان کے تحت اخبار میں شائع ہونے والی تحریر کو کالم کہتے ہیں''۔۶

پروفیسر شفیق جالندھری کالم کی تعاریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> کسی مستقل عنوان کے تحت اخبار یا رسالے میں باقاعدگی کے ساتھ شائع ہونے والی تحریر کو کالم کہتے ہیں جو عموماً لکھنے والے کا نام کے ساتھ باقاعدگی کے ساتھ شائع ہوتی ہے۔۷

ادبی اصطلاحات کی ایک انگریزی لغت میں لفظ Column کے تحت لکھا ہے۔

One of the several vertical blocks of print on a newspaper, magazine or book page, the term column also refers to regular department of a periodical which usually carries the name of the author. Such a column reports or comments upon a particular field of interest. (8)

مندرجہ بالا اقتباسات کی روشنی میں کالم کی چیدہ چیدہ خصوصیات ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔

۱۔ کالم کسی اخبار یا رسالے میں مستقل عنوان کے تحت باقاعدگی سے شائع ہونے والی تحریر کو کہتے ہیں۔

۲۔ کالم کسی مخصوص مصنف کی مخصوص عنوان کے تحت لکھی گئی تحریر ہے۔

۳۔ کالم کسی بھی موضوع یا عنوان پر ایک جامع تبصرہ پیش کرتا ہے اور مختلف واقعات کے اسباب اور محرکات کو سامنے لاتا ہے۔

۴۔ کالم حالات حاضرہ کے ساتھ ساتھ چلتا ہے اس لیے اس کو شگفتہ اور تازہ معلومات سے بھرپور ہونا چاہیے۔

۵۔ کالم زندگی اور معاشرے کے تمام پہلوؤں پر لکھا جاتا ہے۔

۶۔ کالم کا اسلوب مزاحیہ، طنزیہ اور سنجیدہ ہو سکتا ہے۔

کالم کی اقسام

ہر روز ہزاروں کی تعداد میں کالم اخبارات ورسائل کی زینت بنتے ہیں۔ یہ تمام کالم موضوع اور اسلوب کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف اور جدا جدا ہوتے ہیں۔ جس طرح انسان کے مسائل بے شمار ہیں اُسی طرح معاشرے میں بے شمار واقعات بکھرے پڑے ہیں۔ چنانچہ کالم نگار کو لکھنے کے لیے بے شمار موضوعات مل جاتے ہیں۔ مختلف کالم نگار اپنا اپنا مخصوص اور منفرد طرزِ تحریر اور اسلوب رکھتے ہیں۔ چنانچہ اس زاویہ نگاہ سے دیکھا جائے تو کالموں کی بے شمار اقسام بنتی ہیں۔ محمد اسلم ڈوگر اپنی کتاب ''فیچر کالم اور اداریہ'' میں ایک امریکی صحافی ولیم ایل میکارتھی کے حوالے سے لکھتے ہیں: کالم کی اقسام نہیں بنائی جاسکتی ہیں۔ مختلف کالموں کا اسباب ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے اور موضوع و مواد کے لحاظ سے کسی کالم نگار پر کوئی پابندی نہیں ہوتی۔۹

ڈاکٹر شفیق جالندھری کالم کی اقسام کے متعلق لکھتے ہیں۔

> کالم کی اقسام کچھ یوں ہیں۔(۱) فکاہی کالم۔۔۔ جس کا انداز مزاحیہ اور طنزیہ ہو۔(۲) ذاتی اداریہ نما کالم۔۔۔ جس میں اداریہ نویس کی طرح کالم نویس کسی بھی موضوع پر کسی بھی اسلوب میں لکھ سکتا ہو۔ (۳) شہر نامہ۔۔۔ یہ کالم ایک ہی شہر کی سرگرمیوں اور مسائل کا احاطہ کرتے ہیں۔(۴) تحقیقی کالم۔۔۔ یہ ایسے کالم جو کسی خاص علم و فن یا شعبہ ءزندگی کے لیے وقف ہوں۔۱۰

ماہرین صحافت کا خیال ہے کہ کالم لکھنے کا نہ تو کوئی متعین طریقہ ہے اور نہ کوئی متعین اصول اس لیے کالم نویس پر کوئی پابندی نہیں ہوتی کہ وہ کون سا اسلوب اپنائے۔ چنانچہ ایک ہی کالم نویس کے کالموں کو مختلف اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ کالم کی مختلف اقسام کا تعین کرنے کے لیے مختلف کوششیں کی گئی ہیں۔ کالموں کو مندرجہ ذیل تین حوالوں سے تقسیم کیا جاتا ہے۔

(۱) موضوع کے حوالے سے (۲) اسلوب کے حوالے سے (۳) مشاہدے کے حوالے سے

موضوع کے حوالے سے کالم کی اقسام:

موضوع کے حوالے سے کالم کی بے شمار اقسام بنتی ہیں۔ ان میں کسی خاص شعبے، مشغلے، مضمون یا پیشے کے لحاظ سے مختلف اقسام کی درجہ بندی کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ موضوع کے اعتبار سے کالموں کو مندرجہ ذیل اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

i۔ طبّی کالم ii۔ قانونی کالم iii۔ دینی کالم iv۔ نفسیاتی کالم

v۔ معاشی کالم vi۔ کھیلوں کے کالم vii۔ پامسٹری اور علم نجوم پر مبنی کالم

viii۔ سیاسی کالم ix۔ فیشن پر کالم

i۔ طبّی کالم

طبّی کالم ایسا کالم ہوتا ہے جس میں کوئی ماہر طب مختلف موسمی بیماریوں، پھلوں اور سبزیوں کے خواص اور انسانی صحت کے متعلق دیگر مسائل مثلاً شوگر، بلڈ پریشر، عارضہ ء قلب اور موٹاپے وغیرہ پر اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ ایسے کالموں میں طب یونانی کے ماہرین، ایلو پیتھی کے ماہرین اور ہومیو پیتھی کے ماہرین اپنے اپنے انداز میں اپنے اپنے شعبے کے قوانین کی روشنی میں عوام الناس کو مختلف مسائل سے آگاہ کرتے ہیں بڑے اخبارات میں یہ کالم باقاعدگی سے شائع ہوتے ہیں۔

ii۔ قانونی کالم

قانونی کالم ایسے کالم ہوتے ہیں جن میں کوئی ماہر قانون مختلف مسائل اور معاملات میں عوام الناس کی قانونی رہنمائی کرتے ہیں۔ انسانی زندگی تیز رفتار اور پیچیدہ ہوگئی ہے اور کسی ایک فرد کا ہر شعبے میں کامل دسترس رکھنا مشکل ہوگیا ہے۔ زیادہ تر عوام قانون سے ناواقف ہوتے ہیں چنانچہ قانونی کالم عوام کی بہتر رہنمائی کر سکتے ہیں۔ پاکستانی اخبارات میں قانونی کالم زیادہ مقبول نہیں ہو سکے ہیں۔

iii۔ دینی کالم

دینی کالم ایسے کالم ہوتے ہیں جن مین علماء کرام عوام کے دینی مسائل کا حل پیش کرتے ہیں۔ ان مسائل میں اسلامی تاریخ اور شعائر اسلام کے متعلق مختلف مسائل ہوتے ہیں۔

iv۔ نفسیاتی کالم

نفسیاتی کالموں میں ماہرین نفسیات انسان کے مختلف نفسیاتی مسائل پر بحث کرتے ہیں۔ نفسیاتی کالم نگار عام فہم زبان استعمال کرتے ہیں جو ابہام سے پاک ہوتی ہے اور عوام کی درست رہنمائی کرتی ہے۔

v۔ معاشی کالم

معاشی کالموں میں ملک کی اقتصادی صورت حال پر بحث کی جاتی ہے اس کے علاوہ قومی اور صوبائی بجٹ کے اعلان کے موقع پر بھی ایسے کالموں میں بجٹ پر بحث کی جاتی ہے اور ضروری امور زیر بحث لائے جاتے ہیں۔ یہ کالم مخصوص لوگوں کے لیے ہی ہوتے ہیں عام قاری کے لیے نہیں ہوتے۔

vi۔ کھیلوں کے کالم

ایسے کالموں میں عوام الناس کو مختلف کھیلوں مثلاً کرکٹ، ہاکی اور فٹ بال وغیرہ کے متعلق معلومات فراہم کی جاتی ہیں اور ان کھیلوں کے مقابلوں پر بحث کی جاتی ہے۔

vii۔ پامسٹری یا علم نجوم پر مبنی کالم

ایسے کالم جن میں دست شناسی سے متعلق لوگوں کے مختلف سوالات کے جوابات فراہم کیے جاتے ہیں۔ ہاتھ کی مختلف لکیروں کے ذکر، ستاروں کی گردش کے زیر اثر ہفتہ بھر کے واقعات کی پیش گوئی کی جاتی ہے۔ ایسے کالموں کو صحافتی اخلاقیات کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ ان سے عوام میں غلط توقعات اور خوش فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔

viii۔ سیاسی کالم

ایسے کالموں میں ملکی سیاست، سیاسی شخصیات اور مختلف سیاسی معاملات میں حکومتی کردار اور اپوزیشن کے درمیان تنازعات کو زیر بحث لایا جاتا ہے ایسے کالم ملکی اور بین الاقوامی سیاست کا احاطہ کرتے ہیں۔

ix۔ فیشن پر کالم

فیشن پر کالم زیادہ تر مغربی اخبارات میں ہی لکھے جاتے ہیں یہ کالم ایسے ماہرین لکھتے ہیں جن کو زبان و بیان پر عبور حاصل ہو اور دورِ حاضر کے فیشن سے آگاہی ہو۔ ان کالموں میں مختلف فیشن بیان کئے جاتے ہیں جہاں کہیں ضرورت ہو وہاں تصویریں اور خاکے بھی شامل کئے جاتے ہیں۔

اسلوب کے حوالے سے کالم کی اقسام

کسی بھی کالم نویس کی کامیابی میں اس کا اسلوب اہم کردار ادا کرتا ہے۔ مقبول کالم نگاروں کے کالم اگر ان کے نام کے بغیر بھی شائع کر دیے جائیں تو قارئین ان کو پہچان لیتے ہیں۔ اسلوب کے حوالے سے کالم کو مندرجہ ذیل اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

i۔ فکاہیہ کالم　ii۔ سنجیدہ کالم　iii۔ اقتباسی کالم　iv۔ ترکیبی کالم

v۔ مکتوباتی کالم　vi۔ علامتی کالم

i۔ فکاہیہ کالم

فکاہیہ کالم ایسے کالم ہوتے ہیں جن میں مختلف واقعات کو فنکارانہ چابکدستی کے ساتھ دلچسپ بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ایسے کالم لکھنے والوں کو زبان وبیان پر مکمل عبور حاصل ہوتا ہے۔"نوائے وقت" میں شائع ہونے والا کالم "سر راہے" اور "روزنامہ جنگ" میں شائع ہونے والا ڈاکٹر محمد یونس بٹ کا کالم "عکس بر عکس" فکاہی کالموں کی مثالیں ہیں۔

ii۔ سنجیدہ کالم

ایسے کالم جن میں معاشرے میں پائے جانے والے موضوعات پر انتہائی سنجیدگی کے ساتھ بات کی جائے سنجیدہ کالم کہلاتے ہیں۔ سنجیدہ کالموں میں طنز ومزاح کی گنجائش نہیں ہوتی۔ایسے کالم نگاروں میں حامد میر کا "قلم کمان"، جاوید چودھری کا "زیرو پوائنٹ" اور عرفان صدیقی کا "نقش خیال" شامل ہیں۔

iii۔ اقتباسی کالم

اقتباسی کالم میں اہم شخصیات کے انٹرویوز اور اقوال، غیر ملکی زبانوں کے ترجمے، شعراء کی نظمیں اور غزلیں مکمل یا جزوی طور پر پیش کی جاتی ہیں۔ایسے کالموں میں کسی خبر یا واقعہ کو من وعن پیش کیا جاتا ہے۔ منو بھائی نے اپنے کالم "گریبان" اور عطاالحق قاسمی نے "روزنِ دیوار سے" میں بعض مواقع پر اس اسلوب کو اپنایا ہے۔

iv۔ ترکیبی کالم

اس قسم کے کالم میں کسی موضوع پر اظہار خیال کے لیے مختلف ترکیبی انداز اختیار کئے جاتے ہیں۔عام طور پر کسی تازہ واقعہ کو اظہارِ خیال کا مرکزی نقطہ بنایا جاتا ہے۔ ان کالموں میں عموماً کسی اہم اور دلچسپ واقعہ کو مرکزی نقطہ بنا کر اظہار خیال کیا جاتا ہے۔ایسے کالموں کا آغاز کسی لطیفے سے بھی ہوتا ہے۔ ممتاز کالم نگار جاوید چودھری اپنے کالم "زیرو پوائنٹ" میں کبھی کبھی ایسا انداز اختیار کرتے ہیں۔ڈاکٹر اجمل خان نیازی اپنے کالم "بے نیازیاں" میں بھی کبھی کبھی یہ انداز اختیار کرتے ہیں۔

v۔ مکتوباتی کالم

اس قسم کے کالم قارئین کے خطوط سے ترتیب دیے جاتے ہیں۔ کالم نگار ان خطوط کے مندرجات پر اپنی رائے کا اظہار بھی کرتا ہے۔ بعض اوقات خطوط کو سیاق وسباق کے لحاظ سے اس انداز میں ترتیب دیا جاتا ہے کہ کالم نگار اپنی رائے شامل کرنا ضروری نہیں سمجھتا اور قارئین خود بخود مطلوبہ معانی اخذ کر لیتے ہیں۔

vi۔ علامتی کالم

ایسے کالم جن میں علامتی اسلوب اختیار کیا جائے علامتی کالم کہلاتے ہیں۔ جب تحریر و تقریر پر پابندی ہو اور صحافت کو پابند کر دیا جائے تو اس وقت کالم نگار اپنی بات کرنے کے لیے علامت کا سہارا لیتے ہیں اور اشارے و کنائے میں اپنی بات کہہ دیتے ہیں۔ ایسے کالم عام طور پر مارشل لاء کے دور میں ہی لکھے جاتے ہین۔

مشاہدے کے لحاظ سے کالم کی اقسام

اُردو صحافت میں مشاہداتی کالم کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ مشاہداتی کالم قارئین میں ایک خاص پذیرائی حاصل کر چکے ہیں۔ مشاہداتی کالموں کو مندرجہ ذیل دو اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

i۔ سفر نامہ/سیاحتی کالم　　ii۔ شہر نامہ یا ڈائری نما کالم

i۔ سفر نامہ/سیاحتی کالم

ایسے کالم میں جن میں کسی سفر، تفریح یا مہم وغیرہ کی روداد بیان کی جائے سیاحتی کالم کہلاتے ہیں۔ بعض اوقات کسی سیمینار، مذاکرہ یا ورکشاپ وغیرہ کی روداد بھی اسی کالم میں جگہ پاتی ہے۔

ii۔ شہر نامہ یا ڈائری نما کالم

اس کالم میں شہر کے مختلف مسائل اور شہر کے اندر ہونے والے مختلف واقعات کے متعلق صحافی اپنی تحقیق اور مشاہدہ پیش کرتا ہے۔ ایسے کالموں میں شہر کے مختلف واقعات کی ایک رپورٹر کی طرح نگرانی کر کے ان کو بیان کیا جاتا ہے۔ ایسے کالموں میں انتظار حسین کا کالم ''لاہور نامہ'' جو روزنامہ ''مشرق'' میں شائع ہوتا تھا شامل ہے اس کے علاوہ احسان بی اے کا کالم ''میری ڈائری'' بھی اس کالم کی مثال ہے۔

ج۔ پاکستان میں اُردو کالم نگاری کی روایت

پاکستان ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو دنیا کے نقشے پر نمودار ہوا ہے۔ قیام پاکستان کے وقت صحافت کا سب سے بڑا مرکز لاہور تھا۔ قیام پاکستان کے وقت اُردو کالم نگاری اچھی خاصی ترقی کر چکی تھی اور قیام پاکستان میں اُردو کالم نگاری اور اُردو صحافت نے انتہائی اہم کردار ادا کیا ہے۔

قیام پاکستان کے وقت لاہور سے روزنامہ ''زمیندار'' ،روزنامہ ''نوائے وقت''،روزنامہ ''آزاد''، روزنامہ ''انقلاب'' اور روزنامہ ''احسان'' شائع ہوتے تھے۔ قیام پاکستان کے وقت ہندوؤں کے زیر نگرانی شائع ہونے والے اخبارات یا تو بند ہو گئے یا پھر بھارت منتقل ہو گئے۔ لاہور کے علاوہ گوجرانولہ، سیالکوٹ اور کراچی سے بھی اُردو اخبارات نکلتے تھے تاہم گوجرانوالہ اور سیالکوٹ کی صحافتی اہمیت اتنی زیادہ نہ تھی۔
قیام پاکستان کے وقت صحافت کی صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر مسکین علی حجازی لکھتے ہیں۔

> پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے ساتھ ہی کئی مسائل پیدا ہو گئے۔ بھارت سے مسلمانوں کو جبراً پاکستان بھیجنے کے منصوبے پر عمل شروع ہوا اور لاکھوں مسلمانوں شہید ہوئے۔ ایک اندازے کے مطابق نوے لاکھ مسلمان بھارت سے ہجرت کر کے پاکستان آئے۔ اس اتھل پتھل نے صحافت کو بھی بری طرح متاثر کیا۔ پاکستانی پنجاب کے مختلف علاقوں سے ہندوؤں اور سکھوں کے جو اخبارات و جرائد شائع ہوتے تھے وہ یا تو بھارت منتقل ہو گئے یا بند ہو گئے۔ اسی طرح دِلی اور کلکتہ سے مسلمانوں کے اخبارات پاکستان میں منتقل ہو گئے۔ قیام پاکستان سے قبل پنجاب میں صحافت کا سب سے بڑا مرکز لاہور تھا۔ چنانچہ مذکورہ بالا حالات کے نتیجے میں لاہور کی صحافت بھی متاثر ہوئی۔ ۱۱

قیام پاکستان کے وقت کراچی سے روزنامہ ''ڈان''، ''جنگ'' اور ''مارننگ نیوز'' شائع ہوتے تھے۔
قیام پاکستان کے وقت کے مشہور کالم نگاروں کا تذکرہ کرتے ہوئے محمد اسلم ڈوگر لکھتے ہیں۔

> اس دور میں لاہور کے اُردو اخبارات میں جو اہم کالم شائع ہوئے تھے ان میں مولانا عبد المجید سالک کا ''افکار و حوادث'' روزنامہ ''انقلاب'' میں شائع ہوتا تھا۔ مولانا چراغ حسن حسرت کا کالم روزنامہ ''احسان'' میں شائع ہوتا تھا۔ مجید لاہوری کا کالم ''مطائبات'' روزنامہ زمیندار میں اور علامہ لطیف انور کا کالم ''فکاہات'' روزنامہ ''نوائے وقت'' میں شائع ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ ''نوائے وقت'' میں مجید نظامی کا ''سر راہے'' ''ظہیر کشمیری'' حکایات جنون'' کے نام سے کالم لکھتے تھے۔ ۱۲

قیام پاکستان کے بعد کے پہلے دس سالوں کی کالم نگاری کا جائزہ لیا جائے تو صورت حال کچھ یوں سامنے آتی ہے کہ اُس وقت اہم کالم نگاروں میں سے مولانا عبد المجید سالک نے قیام پاکستان سے قبل ہی روزنامہ

''زمیندار'' سے اپنی کالم نگاری کا آغاز کر دیا تھا۔ انہوں نے کالم نگاری کے میدان میں اپنا لوہا منوایا۔ قیام پاکستان کے بعد روزنامہ ''امروز'' میں چراغ حسن حسرت'' حسرت کا روزنامچہ '' کے عنوان سے کالم لکھتے تھے۔ روزنامہ '' زمیندار'' میں حاجی لق لق ''فکاہات'' کے عنوان سے اور مجید لاہوری روزنامہ ''آزادی'' میں ''مطالبات'' کے عنوان سے کالم لکھتے تھے۔ نصر اللہ خان عزیز ''تکلف بر طرف'' کے عنوان سے لکھتے تھے۔

قیام پاکستان کے بعد وطن عزیز بہت ساری سیاسی اور معاشرتی تبدیلیوں سے گزرا ہے۔ یہاں جمہوریت کے ساتھ ساتھ آمریت کے تجربے بھی کئے گئے ہیں۔ تحریر و تقریر پر مختلف حوالوں سے دباؤ بھی ڈالا گیا اور صحافت پر طرح طرح کی پابندیاں بھی لگتی رہی ہیں۔ ملک دو حصوں میں تقسیم بھی ہو گیا۔ ملک میں ہونے والی سیاسی تبدیلیوں سے صحافت کا شعبہ براہ راست متاثر ہوا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد ملک میں ہونے والی سیاسی تبدیلیوں کے لحاظ سے ہم ملکی تاریخ کو سات ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں اور ہر دور میں صحافت اور کالم نگاری کی صورت حال کا جائزہ لیتے ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد ملک کی تاریخ کو مندرجہ ذیل سات ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ اگست ۱۹۴۷ء تا اکتوبر ۱۹۵۸ء

۲۔ اکتوبر ۱۹۵۸ء تا مارچ ۱۹۶۹ء

۳۔ مارچ ۱۹۶۹ء تا جولائی ۱۹۷۷ء

۴۔ جولائی ۱۹۷۷ء تا اگست ۱۹۸۸ء

۵۔ اگست ۱۹۸۸ء تا اگست ۱۹۹۹ء

۶۔ اگست ۱۹۹۹ء تا دسمبر ۲۰۱۰ء

۷۔ دسمبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۶ء

پہلا دور ۱۹۴۷ء تا اکتوبر ۱۹۵۸ء

یہ دور قیام پاکستان کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے اور ملک میں پہلے مارشل لاء کے نفاذ تک پھیلا ہوا ہے۔ ملک میں پہلا مارشل لاء اکتوبر ۱۹۵۸ء میں لگایا گیا چنانچہ یہ پہلا دور گیارہ سالوں پر محیط ہے۔ اگر اس دور میں کالم نگاری کی روایت کا جائزہ لیا جائے تو اس دور کے اہم کالم نگاروں میں مولانا عبد المجید سالک، حاجی لق لق، مجید لاہوری، ظہیر کشمیری، میاں محمد شفیع، احمد ندیم قاسمی، نصر اللہ خان عزیز، انتظار حسین، ظہور الحسن، صلاح

الدین ناسک، سعادت خیالی، منو بھائی اور شوکت تھانوی کے نام شامل ہیں۔ ان مشہور کالم نگاروں کے نام ان کے کالموں کے عنوانات اور اخبارات کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

	کالم نگار	عنوان	اخبار کا نام
۱۔	مولانا عبدالمجید سالک	"افکار و احوادث	زمیندار/انقلاب
۲۔	چراغ حسن حسرت	حسرت کاروان	امروز
۳۔	حاجی لق لق	فکاہات	زمیندار
۴۔	حمید نظامی	سرراہے	نوائے وقت
۵۔	ظہیر کشمیری	حکایات جنوں	آفاق
۶۔	میاں محمد شفیع	لاہور کی ڈائری	احسان
۷۔	احمد ندیم قاسمی	حرف و حکایت	تسلیم
۸۔	نصراللہ خان عزیز	تکلف بر طرف	آفاق
۹۔	سعادت خیالی	خیال در خیال	آفاق

اس دور میں تحریر و تقریر پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ یہ جمہوری دور تھا اور اس دور میں صحافت پوری طرح آزاد تھی۔ اس دور کی کالم نگاری کے جائزے سے پتہ چلتا ہے کہ اُس دور میں کالم آزاد فضا میں تحریر ہوتے تھے۔ کالم نگار پر کسی قسم کا کوئی خوف یا پابندی نہیں تھی۔ اس دور میں کالم نگاری کی روایت بہتر انداز میں آگے بڑھتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

دوسرا دور اکتوبر ۱۹۵۸ء تا مارچ ۱۹۶۹ء

یہ دور اکتوبر ۱۹۵۸ء سے لے کر مارچ ۱۹۶۹ء تک کے دس سالہ عرصے پر مشتمل ہے۔ اس دور میں کالم نگاری کی روایت کا جائزہ لیا جائے تو حالات اتنے تسلی بخش نظر نہیں آتے ہیں۔ اسی دور میں ملکی تاریخ کا پہلا مارشل لاء نافذ ہوا۔ اس دور میں تحریر و تقریر پر پابندیاں لگائی گئیں اور صحافت کو پابند بنایا گیا چنانچہ اس دور کے کالم نگاروں نے علامت کا سہارا لیا اور علامتی کالم نگاری کو فروغ حاصل ہوا اور کالم نگاروں نے علامت کی آڑ میں حکومت پر نکتہ چینی شروع کر دی۔ اس دور کی کالم نگاری کے بارے میں محمد اسلم ڈوگر لکھتے ہیں۔

> ۱۹۵۰ء کے عشرے کے آخری سالوں میں اُردو صحافت میں ایک نیا رجحان یہ بھی آیا
> کہ بعض اخبارات نے بھارت میں شائع ہونے والے اخبارات میں سے مضامین

اور کالم نقل کر کے شائع کرنے شروع کر دیے۔ان میں مولانا عبدالماجد دریاآبادی کا کالم ''سچی باتیں'' بھی شامل تھا۔ جو روز نامہ ''نوائے وقت'' میں ''سر راہے'' کی جگہ شائع ہوتا تھا۔اسی طرح معروف بھارتی کالم نگار فکر تونسوی کے فکاہی کالم بھی شامل ہیں۔۱۳

اس دور میں ملک پر مارشل لاء نافذ ہو چکا تھااور آزادی تحریر و تقریر پر پابندیوں کی وجہ سے کالم نگاروں کے ہاں موضوعات کی کمی واقع ہو گئی تھی اور اخباروں نے قارئین کی دلچسپی بر قرار رکھنے کے لیے بھارتی اخباروں اور انگریزی جرائد سے بھی استفادہ کرنا شروع کر دیا تھا۔

ایوب خان کے مارشل لاء کے بعد صحافت کا ایک خاص رنگ نمودار ہوا اور کالم نگار سیاسی امور کی بجائے معاشرتی امور اور ادبی امور پر لکھنے لگے اس دور کے مشہور کالم نگاروں میں شوکت تھانوی،ابن انشاء،ایس ایم ناز،عبدالقادر حسن، حکیم آفتاب قریشی،بشیر احمد اختر، قمرانبانوی، سلیم تابانی،ملاواحدی، ظہیر بابر،احسان بی اے، پیر علی راشدی اور ابراہیم جلیس وغیرہ کے نام شامل ہیں۔

اس دور میں شوکت تھانوی روزنامہ ''جنگ'' میں ''وغیرہ وغیرہ'' کے عنوان سے کالم لکھتے تھے۔ ابن انشاء نے روزنامہ ''امروز'' میں مختلف قلمی ناموں سے کالم لکھے ہیں۔اس کے علاوہ صلاح الدین ناسک کا کالم ''حالات کی بات'' شائع ہوتا تھا اس کے علاوہ ظہیر کشمیری کا کالم ''مشرق و مغرب'' اور سعادت خیالی کا کالم ''کہانیات'' شامل ہیں۔اسی دور میں سلیم تابانی ''صراط مستقیم'' کے عنوان کے تحت کالم لکھتے تھے۔

کالم نگاری کی روایت کے ادواری مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اُس دور میں شوکت تھانوی روزنامہ جنگ میں ''وغیرہ وغیرہ'' کے عنوان سے اور ''پہاڑ تلے'' کے عنوان سے کالم لکھتے تھے۔اسی طرح ان کالم نگاروں میں ایک نام ابنِ انشاء کا ہے جو روزنامہ ''امروز'' میں کئی قلمی ناموں سے کالم لکھتے رہے ہیں۔ ابن انشاء ''درویش دمشقی''، ''حاجی بابا'' اور ''اصفہانی'' کے قلمی ناموں سے لکھتے رہے ہیں۔

فلیڈ مارشل ایوب خان جیسے جیسے مارشل لاء سے جمہوریت کی طرف سفر کرنے کی کوشش کر رہے تھے اسی طرح آزادی صحافت پر پابندیاں کم ہو رہی تھیں۔جب صحافت قدرے آزاد ہونے لگی تو مختلف کالموں میں سیاسی امور پر بحث ہونے لگی اور کالم نگار سیاسی امور پر فکاہیہ اور سنجیدہ کالم لکھنا شروع ہو گئے۔ چنانچہ اس ضمن میں ظہور عالم کا کالم '' گاہے گاہے باز خواں'' اور شیر محمد اختر کا کالم ''رنگ و آہنگ''، بشیر احمد ارشد کا کالم ''مسائل و افکار'' شائع ہوتے تھے۔ان کالموں میں ملکی سیاست پر تبصرہ بھی ہوتا تھا اور بعض اوقات ان میں

تنقید کا رنگ بھی غالب نظر آتا تھا۔ اسی دور میں روزنامہ ''امروز'' میں ظہیر بابر نے ''رفتارِ عالم'' کے عنوان سے ایک کالم کا آغاز کیا جس میں عالمی سیاست کے رجحانات پر بحث ہوتی تھی۔ روزنامہ '' جنگ'' کراچی میں انعام درانی کے کالم ''تلخ وشیریں'' کے علاوہ ابنِ انشا کا کالم'' دخل در معقولات'' اور پیر علی محمد راشدی کا کالم ''وغیرہ وغیرہ'' بھی قارئین میں خاصے مقبول ہوئے۔

۱۹۶۰ء کی دہائی میں کالم نویسی کے میدان میں خواتین کالم نگاروں نے بھی اپنے قلم کے جوہر دکھائے ہیں۔ روزنامہ کوہستان میں نزہت اکرام، سلمیٰ جبین اور امینہ عنبرین نے خواتین کے لیے کالم لکھے ہیں۔ روزنامہ ''امروز'' میں رخشندہ حسن اور فرزانہ نظیر کے کالم بھی بہت مشہور ہوئے تھے۔ روزنامہ ''مساوات'' لاہور میں پروین سحر، نرگس پروین اور نیرّ عباسی نے کالم لکھے ہیں ان کے علاوہ معروف خواتین کالم نگاروں میں شمیم اختر، ش فرح اور شمیم اکرام الحق کے نام قابل ذکر ہیں۔ اس دور میں جمہوریت کی بحالی، صنعتی ترقی، قومی یکجہتی، مسئلہ کشمیر، صوبائی عصبیت اور سماجی اور اخلاقی اقدار کالم نویسوں کے اہم موضوعات رہے ہیں۔

تیسرا دور مارچ ۱۹۶۹ء تا جولائی ۱۹۷۷ء

یہ دور ایوب خان کے استعفیٰ سے لے کر ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کے خاتمے تک کا دور ہے۔ اس دور کے اہم سیاسی واقعات میں سے ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات، مشرقی پاکستان کی علیحدگی، کہوٹہ لیبارٹریز کا قیام، قادیانیوں کا غیر مسلم قرار پانا، ۱۹۷۳ء کا آئین اور ضیاالحق کا مارشل لاء لگانا شامل ہیں۔ یہ دور صحافت کے لیے سود مند ثابت نہیں ہوا۔ ۱۹۷۰ء میں ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے ترجمان اخبار ''مساوات'' کا لاہور سے اجراء کیا۔ ۱۹۷۲ء میں روزنامہ ''ڈان'' کے الطاف گوہر کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ بھٹو نے اقتدار میں آتے ہی ایک مارشل لاء حکم کے تحت تین مقبول عام جریدوں پر پابندی لگا دی ان پر الزام تھا کہ یہ قومی مفاد کے خلاف لکھتے ہیں۔ زیادہ تر اخبارات نے حکومت کے اس عمل کی اپنے کالموں اور اداریوں میں شدید مذمت کی اور صحافتی تنظیموں نے حکومت کے اس عمل کو ہائی کورٹ میں چیلنج کر دیا۔ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس دور میں حکومت اور صحافتی حلقوں میں ایک محاذ آرائی کی فضا تھی اور اس دور میں اخبارات ورسائل کے خلاف محاذ آرائی اور اقدامات کا ایک وسیع سلسلہ چلتا رہا ہے۔ اس دور میں بہت سارے کالم نگاروں، صحافیوں اور مدیران و ناشران کے خلاف مقدمے قائم کر کے انھیں قید و بند کی سزائیں دی گئیں۔ اس دور میں روزنامہ ''ڈان''، روزنامہ ''من'' روزنامہ ''جنگ'' جماعت اسلامی کا ترجمان اخبار ''جسارت'' ہفت روزہ ''چٹان'' ہفت روزہ ''سنگت

کوئٹہ" روزنامہ"سانگھڑ" روزنامہ"مشرق" ہفت روزہ"ندائے سندھ"اور ہفت روزہ"سٹار" کراچی اور اس طرح کے متعدد اخبارات ورسائل کے خلاف معاندانہ کاروائیاں کی گئیں۔ کسی کے مدیر کو گرفتار کیا گیا اور کسی کے اخباری کاغذ کے کوٹہ میں کمی کر دی گئی۔ کسی اخبار کے اشتعارات بند ہوئے تو کسی اخبار کا ڈیکلریشن منسوخ کیا گیا۔

اس دور کے معروف کالم نگاروں میں سے احمد ندیم قاسمی کا نام بہت مشہور ہے۔ جو اُن دنوں روزنامہ "امروز" میں لکھتے تھے ان کا کالم "حرف و حکایت" کے عنوان کے تحت شائع ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ منو بھائی "گریبان" ظہیر کشمیری "باعثِ تحریر" کے عنوان سے روزنامہ "مساوات" میں کالم لکھتے تھے۔ نصراللہ خان عزیز فکاہی کالم "آدابِ عرض" لکھا کرتے تھے۔ جو روزنامہ "حدیث" کراچی میں شائع ہوتے تھے۔ اسی طرح روزنامہ "مشرق" لاہور میں بہت سارے کالم نگار سیاست، معاشرت، طب، قانون، نفسیات، کھیل اور مذہب کے حوالوں سے کالم لکھتے تھے جیسے بشیر احمد ارشد "قومی منظر" مسعود احمد" احوال واقعی" مقبول احمد "خبروں کا پس منظر" کلیم نور احمد "طب اور صحت" فاروق پراچہ "نفسیاتی الجھنیں" لکھا کرتے تھے۔

اس دور میں روزنامہ "مساوات" لاہور میں نذیر ناجی نے ایک سیاسی کالم "نئیں ریساں شہر لاہور دیاں" کا آغاز کیا جس میں وہ سیاسی شعبدہ بازیوں پر اظہار خیال کرتے تھے۔ اسی دور میں عبدالقادر اشک اپنا کالم "اندھیرے اُجالے" بھی "مساوات" میں شائع کرتے تھے۔ اسی اخبار میں عباس اطہر "سامنا" اور ظہیر بابر "رفتار وطن" اور ابوالظفر "خبروں کا پس منظر" کے عنوان سے کالم لکھا کرتے تھے۔ اسی طرح "نوائے وقت" میں عطاء الحق قاسمی "روزنِ دیوار سے" اپنا کالم لکھا کرتے تھے اور اُن کا کالم صحافتی حلقوں میں بہت سراہا جاتا تھا۔

سقوطِ ڈھاکہ کے بعد مغربی پاکستان میں قوم کے حوصلے انتہائی پست ہو چکے تھے۔ بہت سارے لوگ تو پاکستان کے مستقبل کے متعلق ہی مایوسی کا اظہار کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ جنگی قیدیوں کے متعلق بھی ایک تشویش پائی جاتی تھی۔ اس وقت پاکستان جس بحران کا شکار تھا اس میں صحافت نے اپنا کردار ادا کیا اور کالم نویسوں نے اہم کردار ادا کیا ان میں احمد ندیم قاسمی، ابراہیم جلیس، ابن انشاء ارشاد احمد خان اور ظہور الحسن ڈار کے نام نمایاں ہیں۔ اس دور میں صحافت کے ساتھ حکومتی سلوک کا ذکر کرتے ہوئے ہمایوں ادیب لکھتے ہیں۔

> اگرچہ حکومت کے ترکش میں اُن قوانین کے تمام تیر موجود تھے جو انگریز حکمران وقتاً فوقتاً استعمال کرتے رہے تھے، لیکن پاکستان کے جمہوریت پرست ارباب بست وکشاد نے نہ صرف سابقہ قوانین کو سخت تر کیا بلکہ نئے قوانین بھی نافذ کیے۔ ۱۴

چوتھا دور جولائی ۱۹۷۷ء تا اگست ۱۹۸۸ء

چوتھا دور گیارہ سالوں پر محیط ہے یہ دور ضیاالحق کے مارشل لاء اور فوجی حکومت کا دور ہے۔ یہ دور بھی پچھلے ادوار کی طرح سیاسی، سماجی معاشرتی اور اقتصادی لحاظ سے ہنگامہ خیز دکھائی دیتا ہے۔ اس دور میں صحافیوں کو کوڑے لگانے کی سزائیں دی گئیں اور صحافتی برادری کو قید وبند کی صعوبتوں سے گزرنا پڑا۔ اسی دور میں ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دے دی گئی۔

۱۶ اکتوبر ۱۹۷۹ء کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاالحق نے دوسری مرتبہ عام انتخابات کروانے کا اعلان کر کے اس کو غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کر دیا۔ انہوں نے سیاسی پارٹیوں کو ختم کرنے اور ان کے حسابات کو منجمد کرنے کے ساتھ ساتھ اخبارات پر بھی مکمل پری سنسر شپ نافذ کر دی۔ ضیاالحق نے قوم سے اپنے خطاب میں یہ کہا کہ اخبارات ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہیں اور عوام کے ذہنوں کو گمراہ کر رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے مارشل ریگولیشن نمبر ۴۹ جاری کیا جس میں کہا گیا کہ جو پبلشر زیا ایڈیٹر اس کی پابندی نہیں کریں گے تو ان کو دس سال تک کی قید بامشقت، جرمانہ یا پچیس کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔

اس دور کے کالم نگاروں میں منو بھائی ''گریبان'' کے نام سے روزنامہ ''امروز'' میں کالم لکھا کرتے تھے۔ وقار انبالوی روزنامہ ''نوائے وقت'' میں ''سرراہے'' کے عنوان سے کالم لکھا کرتے تھے۔ نذیر ناجی روزنامہ نوائے وقت میں ''سویرے سویرے'' کے عنوان سے اپنا کالم لکھا کرتے تھے۔ میاں عبدالرشید ''نور بصیرت'' اور زاہد ملک ''بین السطور'' کے عنوان سے روزنامہ نوائے وقت میں کالم لکھا کرتے تھے۔ اسی طرح روزنامہ ''جنگ'' میں جمیل الدین عالی ''نقار خانے میں'' کے عنوان سے اور احمد ندیم قاسمی ''لاہور لاہور ہے'' کے عنوان سے اپنا کالم لکھا کرتے تھے۔ احمد ندیم قاسمی ''موج در موج'' کے عنوان سے بھی لکھا کرتے تھے۔ روزنامہ ''جنگ'' نفسیاتی اور فلسفیانہ کالم لکھا کرتے تھے۔ ہفت روزہ ''آہنگ'' میں محمود فاروقی ''علم و عمل'' اور انتظار حسین ''لاہور نامہ'' کے عنوان سے لکھتے تھے۔ روزنامہ ''مشرق'' میں محمد حسن عسکری ''پس منظر روزنامہ'' کے عنوان سے لکھتے تھے۔ اسی اخبار میں ایم بی سکندر ''دین فطرت'' کے عنوان

سے کالم لکھتے تھے۔اسی طرح ڈاکٹر عبد السلام خورشید ''واقعات عالم'' کے عنوان سے روزنامہ ''جسارت'' میں لکھا کرتے تھے۔

اس دور کے مشہور کالم نگاروں میں حکیم نور احمد، انعام الحق درانی، ارشاد احمد حقانی، ظفر اقبال، مولانا کوثر نیازی، ڈاکٹر ریاض الحسن، زیڈاے سلہری، فضل حق، مجیب الرحمن شامی، رفیق ڈوگر، نفیس صدیقی، زاہدہ حنا، عبدالقادر حسن، میاں شفیع اور طاہر مسعود کے نام شامل ہے۔ان لوگوں نے پابندی کے باوجود کالم نگاری کی رسم کو زندہ رکھا۔

پانچواں دور اگست ۱۹۸۸ء تا اکتوبر ۱۹۹۹ء

اگست ۱۹۸۸ء تا اکتوبر ۱۹۹۹ء تک کا دور پاکستان میں جمہوری حکومتوں کا دور کہلاتا ہے۔اس جمہوری دور سے پہلے ملک ایک طویل مارشل لاء سے گزرا تھا۔ مگر اس مارشل لاء کے اثرات بھی باقی تھے اور یہ جمہوری دور بھی اتنا حوصلہ افزا ثابت نہیں ہوا۔اس دور میں بھی سازشوں اور الزام تراشیوں کا ایک طویل سلسلہ شروع رہا۔اس دور میں بے نظیر بھٹو اور نواز شریف کی حکومتوں کے بننے اور ٹوٹنے کے مناظر سب کے سامنے ہیں۔ اس دور میں ایجنسیوں نے بھی سیاست میں بھرپور مداخلت کی اور ملک شدید قسم کے عدم استحکام کا شکار رہا۔

اس جمہوری دور میں پاکستانی صحافت نے نئی انگڑائی لی اور صحافت کے نئے دور کا آغاز ہوا۔مارشل لاء کے دور کی جو سختیاں تھیں وہ نرمی میں بدل گئیں۔ اس دور میں تحریر و تقریر پر سے پابندی اٹھادی گئی مگر الیکٹرانک میڈیا پر حکومتی عملداری برقرار رہی۔اخبارات ورسائل کو مکمل آزادی تھی اور ایسا کوئی قانون منظر عام پر نہیں آیا جس سے صحافت متاثر ہوئی ہو۔

اس دور کے اہم کالم نگاروں میں عباس اطہر، جاوید چودھری، زاہدہ حنا، عبد القادر حسن، امجد اسلام امجد، حسن ظہیر، اوریا مقبول جان اور رئیس فاطمہ شامل ہیں۔اس کے علاوہ مشفق خواجہ، ارشاد احمد حقانی کے نام بھی صحافت کی بلندیوں پر پہنچ گئے۔ مشفق خواجہ، خامہ بگوش، کے قلمی نام سے لکھتے تھے۔پروین شاکر روزنامہ جنگ میں ''گوشہ چشم'' کے عنوان سے اپنا کالم لکھتی تھیں یہ کالم ان کی وفات تک جاری رہا ان کے زیادہ تر کالم سماجی اور سیاسی موضوعات پر مشتمل ہوتے تھے۔ارشاد احمد حقانی نے مختلف سیاسی مسائل اور سیاسی رہنماوں کی چپقلشوں کو بیان کیا ہے ان کے کالموں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ پاکستان میں جمہوریت کا تسلسل دیکھنا چاہتے تھے۔اسی دور میں حسن نثار ''چوراہا'' کے عنوان سے روزنامہ ''جنگ'' میں کالم لکھتے تھے۔اس دور کے دیگر

اہم کالم نگاروں میں ڈاکٹر انور سدید، عبد القادر حسن، حامد میر، جاوید چودھری، عرفان صدیقی، عطاالحق قاسمی اور عباس اطہر کے نام شامل ہیں۔

چھٹا دور ۱۹۹۹ء تا جنوری ۲۰۱۶ء

چھٹا دور تیرہ سالوں کے عرصے پر مشتمل ہے اس دور میں آٹھ سال تک ملک میں آمریت قائم تھی اور باقی پانچ سال جمہوریت تھی۔ اس دور کی صحافت اور کالم نگاری کا جائزہ لیا جائے تو اس دور میں صحافت قدرے آزاد تھی۔ اس دور میں درجنوں نئے اخبارات اور ٹی وی چینلز منظر عام پر آئے اور کئی غیر ملکی چینلز جیسے BBC, CNN اور CNT کو بھی نشریات کی اجازت دی گئی۔ ملک کے تمام اہم پرائیویٹ ٹی وی چینلز میں سے Express Tv, Geo Tv، روز ٹی وی، اے آر وائی اور سماء نیوز اسی دور میں منظر عام پر آئے۔

اس دور کے اہم کالم نگاروں میں ڈاکٹر انور سدید، عبد القادر حسن، اسد اللہ غالب، عبد الرشید غازی، راحیلہ عشائی، ظفر اقبال وغیرہ کے نام شامل ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید روزنامہ نوائے وقت میں ''گفتنی'' کے عنوان سے کالم لکھا کرتے تھے، جاوید چودھری روزنامہ ایکسپریس میں ''زیرو پوائنٹ'' اور ظفر اقبال ''بلاناغہ'' کے عنوان سے کالم لکھتے تھے۔ ڈاکٹر شیرین مزاری ''تلخیاں'' روزنامہ ''اوصاف'' میں لکھتی رہی ہیں اور اسی اخبار میں سعید قدوائی ''قلم کی آواز'' اور مسعود اشعر ''آئینہ'' کے عنوان سے کالم لکھتے تھے۔ روزنامہ جنگ میں اصغر ندیم سید ''ادھوار سچ'' رؤف کلاسر ''آخر کیوں'' اور بشریٰ اعجاز ''تیسرا کنارہ'' حامد میر ''قلم کمان'' اور عرفان صدیقی'' نقش خیال'' کے عنوان سے لکھتے تھے۔

اس دور کے دیگر اہم کالم نگاروں میں مجیب الرحمن شامی، رفیق ڈوگر، امجد اسلام امجد، عطاالحق قاسمی، نذیر ناجی، ہارون الرشید، مستنصر حسین تارڑ، ڈاکٹر محمد یونس بٹ کے نام شامل ہیں۔

د۔ ڈاکٹر انور سدید: مختصر تعارف

ڈاکٹر انور سدید ضلع سرگودھا کے ایک دور افتادہ گاؤں ''میانی'' میں پیدا ہوئے ان کی تاریخ پیدائش ۴ دسمبر ۱۹۲۸ء ہے۔ ''میانی'' دریائے جہلم کے کنارے واقع ہے یہ قصبہ بھیرہ کے قریب ہے۔ ڈاکٹر انور سدید ۲۰ مارچ ۲۰۱۶ء کو وفات پاگئے۔ ڈاکٹر انور سدید کا پورا نام محمد انوار الدین تھا۔ ادبی دنیا انہیں انور سدید کے

نام سے جانتی ہے۔ڈاکٹر انور سدید راجپوت خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو سری نگر میں آباد تھا۔ان کے خاندانی پس منظر کے بارے میں سجاد نقوی ''پاکستانی ادب کے معمار'' میں یوں رقمطراز ہیں۔

> آزادی سے پہلے سری نگر سے ایک ہندو شجرہ نویس سرگودھا آیا کرتا تھا۔اُس کے پاس ہمارے خاندان کی جنم پتریاں بھی تھیں۔اس کی روایت کے مطابق اٹھارویں صدی کے آخر میں ہمارے خاندان کے ایک بزرگ نے کشمیر کے ایک ولی اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اسلام قبول کیا۔ ڈوگرہ راج میں یہ خاندان نقل مکانی کر کے گجرات کے راستے بھیرہ پہنچا اور پھر یہیں آباد ہو گیا۔۱۵

ڈاکٹر انور سدید کے والد کا نام مولوی امام الدین تھا۔ان کے والد گرامی کے تین بھائی تھے۔دواُن سے بڑے اور ایک اُن سے چھوٹے تھے۔جب شاہ پور کو انگریزوں نے ضلع کا درجہ دیا تو ان کا خاندان میانی سے شاہ پور منتقل ہو گیا اور جب نہر لوئر جہلم کے بائیں کنارے پر سرگودھا شہر آباد کیا گیا تو ان کا خاندان سرگودھا کے سولہ نمبر بلاک میں آکر آباد ہو گیا۔ڈاکٹر انور سدید کے والد کے بڑے بھائی مولوی کریم الدین مجلس احرار کے رکن تھے اور خانقاہ سراجیہ ضلع میانوالی سے منسلک تھے۔ڈاکٹر انور سدید کے والد کے پیشے کے بارے میں پروفیسر سجاد نقوی لکھتے ہیں۔

> گول چوک سرگودھا میں ان کے پاس پف سلائی مشین کی ایجنسی تھی۔ سلائی مشین کے حوالے سے انہوں نے درزی خانہ قائم کیا جہاں پر نادار بچوں کو سلائی کی تربیت دی جاتی تھی۔۔۔۔ عمر کے آخری حصے میں اپنے بڑے بھائی کی طرح ان کا رجحان بھی تصوف کی طرف ہو گیا اور خانقاہ سراجیہ کے حضرت خواجہ خان محمد سے بیعت کی اور ان کی بیعت میں کئی مرتبہ مجدد الف ثانی کے مزار پر حاضری بھی دی۔۱۶

ڈاکٹر انور سدید کی والدہ تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔انہوں نے قرآن پاک کی ناظرہ تعلیم حاصل کی اور اُردو کی کتابیں بھی پڑھ لیتی تھیں ان کا نام صالحہ خاتون تھا۔ان کی والدہ نے طویل عمر پائی اور اپنے شوہر کی وفات کے بعد تیس سال تک زندہ رہی ہیں۔انہوں نے اپنے گھر کا ایک کمرہ عبادت اور دُرود وغیرہ کے لئے مختص کر رکھا تھا۔اس کمرے کو انہوں نے اپنی زندگی کی آخری سانس تک آباد رکھا۔ڈاکٹر انور سدید کے پانچ بھائی اور تین بہنیں تھیں ان کے والد محترم کے ایک بھائی مولوی شمس الدین تھے یہ جوانی میں انتقال کر گئے تھے۔ان کے

بڑے بیٹے بشیر احمد کی پرورش انور سدید کے والد اور والدہ نے کی۔ یوں بشیر احمد نے انور سدید کے والد کے گھر پر ہی پرورش پائی اور انور سدید کے والد نے ہی میاں بشیر احمد کو شادی کروائی اور یہ طے کر لیا کہ اگر ان کی بیٹی ہوئی تو وہ اپنے بیٹے کے لیے بیاہ کر لاؤں گا اور پھر ایسا ہی ہوا انور سدید کی شادی بشیر احمد کی لڑکی نصرت بیگم سے ہوئی۔ ڈاکٹر انور سدید کی شادی کے بارے میں مسرت شاہین سہ ماہی ''اسالیب'' کے ڈاکٹر انور سدید نمبر میں یوں رقمطراز ہیں۔

> ڈاکٹر انور سدید کی شادی جب وہ اٹھائیس برس کے تھے۔ ۹ مئی ۱۹۵۶ء کو محترمہ نصرت بیگم دختر میاں بشیر احمد سے ہوئی میاں بشیر احمد انور سدید کے سسر اور ان کے چچازاد بھائی بھی تھے اور بشیر احمد نے انور سدید کے گھر میں پرورش پائی تھی۔ ۱۷

ڈاکٹر انور سدید کے چار بیٹے ہیں بڑے بیٹے کا نام مسعود احمد ہے۔ یہ ایم ایس سی حیوانات ہیں اور پولٹری کی صنعت سے وابستہ ہیں۔ مسعود احمد سے چھوٹے بیٹے محمد امتیاز ایم بی بی ایس ہیں اور ایف سی ایس سرگودھا میں بچوں کے ڈاکٹر ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید کے تیسرے بیٹے انس اعجاز بی ایس سی کیمیکل ہیں اور لاہور کی پیپر مل میں انجینئر کے عہدے پر تعینات ہیں۔ انور سدید کے سب سے چھوٹے بیٹے بذل ندیم بی ایس سی مکینکل ہیں اور لاہور کی ایک شوگر مل میں بطور ڈپٹی چیف انجینئر رہے ہیں اور آج کل سرگودھا کے مین بازار میں کپڑے کا کاروبار کرتے ہیں۔

ڈاکٹر انور سدید نے خاندانی روایت کے مطابق مذہبی تعلیم مولوی امام الدین سے حاصل کی۔ دنیاوی تعلیم کی تین جماعتیں اسلامیہ پرائمری سکول سرگودھا اور چوتھی جماعت ایم سی پرائمری سکول بلاک نمبر ۹ سرگودھا سے پاس کی۔ پانچویں اور چھٹی جماعت گورنمنٹ ہائی سکول سرگودھا سے پاس کرنے کے بعد اپنے بڑے بھائی میاں فیروز الدین نور کے پاس ڈیرہ غازی خان چلے گئے۔ گورنمنٹ ہائی سکول ڈیر غازی خان سے انور سدید نے ورنیکلر مڈل کا امتحان دیا اور بدرجہ اول پاس کیا۔ میٹرک کا امتحان بھی درجہ اول میں پاس کیا تھا۔ بڑے بھائی معراج الدین نے انور سدید کو انجینئر بنانے کے لیے اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور میں ایف ایس سی میں داخل کروایا۔

انور سدید کو اپنی تعلیم کے آغاز سے دسویں جماعت پاس کرنے تک پرائمری کلاسوں میں مرزا ہاشم الدین جو معروف ماہر اقبالیات مرزا محمد منور کے والد گرامی تھے اور گورنمنٹ کالج ڈیرہ غازی خان میں مولوی

پیر بخش جیسے استاد ملے جو اُردو ادب سے گہرا شغف رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے شاگرد انور سدید کے اندر بھی ادب کی شمع روشن کر دی۔ چنانچہ وہ ایف ایس سی تو نہ کر سکے مگر سید قاسم رضوی کے زیر اثر اپنے احراری خاندان کے برعکس مسلم لیگی ہو گئے اور ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کے لیے گراں قدر خدمات سر انجام دیں۔

ڈاکٹر انور سدید کو ان کے بڑے بھائیوں نے محکمہ آبپاشی میں بطور کلرک بھرتی کروادیا لیکن وہ مطمئن نہ تھے۔ مقابلے کا امتحان پاس کر کے سول انجنیئر نگ کالج رسول میں داخلہ لیا اور ۱۹۴۸ء میں انجینئر نگ کا امتحان اول بدرجہ اول میں پاس کیا اور جونیئر کلرک سے ترقی پاکر اوورسیئر ہو گئے۔ ملازمت کے دوران ادیب فاضل کا امتحان سب سے زیادہ نمبر لے کر پاس کیا۔

ادیب فاضل کرنے کے بعد انہوں نے ایف اے، بی اے اور ایم اے (اُردو) کے امتحانات پرائیویٹ طور پر پاس کیے۔ ایم اُردو میں وہ پنجاب یونیورسٹی میں اول آئے اور طلائی تمغے کے حق دار ہوئے۔ اس اعزاز سے انہیں مولوی عبد الحق طلائی میڈل بھی ملا۔ ایم اے کرنے کے بعد ڈاکٹر وزیر آغا کی ترغیب پر انور سدید نے "اُردو ادب کی تحریکیں" کے عنوان سے پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا اور پنجاب یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اس دوران انور سدید نے انسٹی ٹیوٹ آف انجنیئرز ڈھاکہ سے اے ایم آئی ای (AMIE) کا امتحان بھی پاس کر لیا۔ اس کی ڈگری بی ایس سی کے برابر تھی۔ جو انور سدید کی محکمانہ ترقی میں معاون ثابت ہوئی۔

ڈاکٹر انور سدید کی عملی زندگی کا آغاز ۱۹۴۷ء میں محکمہ آبپاشی میں ۳۵ روپے ماہانہ تنخواہ سے ہوا۔ ۱۹۴۸ء میں انور سدید نے گورنمنٹ انجنیئر نگ کالج رسول بخش سے ڈپلوما کیا تو وہ ترقی پاکر اوورسیئر کے عہد پر تعینات ہو گئے۔ اور اسی عہدے کے دوران انہوں نے تھل کینال والہ، راوی لنک، قائد آباد پاور ہاؤس، وارسک ڈیم، بی آر بی لنک، سمندری ڈرینج پراجیکٹ کی تعمیر میں مثالی خدمات سر انجام دیں۔ وہ بی آر بی لنک کینال کی تعمیر کی وجہ سے خاصے مشہور ہوئے۔ جب ۱۹۵۸ء میں حکومت نے بی آر بی کی تعمیر کا آغاز کیا تو اس وقت انور سدید وہاں پر تعینات تھے۔ بی آر بی نہر کی تعمیر ۱۹۶۲ء میں مکمل ہوئی اور ۱۹۶۲ء میں نہر کی پہلی روانی کا اعزاز بھی انور سدید کو حاصل ہے۔ بی آر بی نہر کی ایک وجہ شہرت ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ بھی ہے جس کے دوران اس نہر نے لاہور کے لئے حد حفاظت کا تاریخی فرض سر انجام دیا۔

ڈاکٹر انور سدید نے اپنی ملازت کے دوران دو پیشہ ورانہ امتحانات پاس کیے جس کی وجہ سے انور سدید کی محکمانہ ترقی ہوئی۔ ۱۹۶۴ء میں بطور ایس ڈی او اپنے آبائی شہر سرگودھا میں تعینات ہوئے۔ سرگودھا کا قیام ان

کی ادبی زندگی کے لیے نہایت ہی سود مند رہا۔ یہاں پر انہوں نے ڈاکٹر وزیر آغا کے ایماء پر اُردو ادب سے رشتہ استوار کر لیا۔ انور سدید کی سرگودھا تعیناتی ان کی ادبی زندگی کا ایک انتہائی اہم موڑ ہے۔

ڈاکٹر انور سدید ایگزیکٹو انجینئر کے طور پر فیصل آباد اور کوٹ ادو میں بھی تعینات رہے ہیں۔ اپنی ملازمت کے آخری سالوں میں وہ لاہور سیکرٹریٹ میں منتقل ہو گئے اور ادھر ہی انہوں نے گریڈ ۱۹ تک ترقی پائی اور یہیں سے ہی ۱۹۸۸ء میں ریٹائر ہوئے۔

سرگودھا کا قیام ڈاکٹر انور سدید کی ادبی شخصیت کو نکھارنے میں بہت اہم ثابت ہوا ہے۔ اسی قیام کے دوران ان کی وزیر آغا سے آشنائی ہوئی اور وہ وزیر آغا کے کیمپ کے ایک سپاہی کے طور پر مشہور ہوئے۔ اسی دوران ان کی اپنے ہم عصر ادیبوں سے ادبی نوک جھونک بھی رہی۔ اُن دنوں ڈاکٹر وزیر آغا اور احمد ندیم قاسمی کے درمیان ادبی گروہ بندی اور چپقلش پائی جاتی تھی۔ سرگودھا میں قیام کے دوران ہی انور سدید کا ادب اور ادبی صحافت سے رشتہ مضبوط ہوا۔ سرگودھا کے قیام کے دوران وہ ماہنامہ ''اُردو زبان'' کے پس پردہ مدیر رہے اور اس کے علاوہ روزنامہ ''جسارت''، ''حریت'' اور ''مشرق'' میں بطور کالم نگار شہرت پائی۔ جب وہ محکمہ آبپاشی سے ریٹائر ہوئے تو مجیب الرحمن انہیں ماہنامہ قومی ڈائجسٹ میں لے گئے اور ان کو مدیر مقرر کر دیا۔ اس کے بعد وہ ضیاء شاہد کے اخبار ''خبریں'' میں بطور ڈپٹی ایڈیٹر بھرتی ہو گئے اور ۱۹۸۸ء تک روزنامہ ''خبریں'' سے منسلک رہے، ڈاکٹر انور سدید کے دوست ارشاد احمد عارف انھیں مجید نظامی کے پاس لے گئے اور ان کو مجید نظامی سے متعارف کروایا۔ چنانچہ ۱۹۹۹ء میں انور سدید روزنامہ ''نوائے وقت'' سے منسلک ہو گئے۔ اور اسی اخبار میں ''گفتنی'' کے عنوان سے کالم لکھنے لگے۔ اس کے بعد جب ''ندائے ملت'' شائع ہوا تو وہ ''ندائے ملت'' میں ''ادب در ادب'' کے عنوان سے کالم لکھتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ ہفت روزہ فیملی میگزین میں ''قومی سیاست'' کے عنوان سے کالم لکھتے رہے، مقالہ زیرِ تحقیق میں ڈاکٹر انور سدید کے ان ہی کالموں کا موضوعاتی جائزہ لیا جائے گا۔ جو روزنامہ نوائے وقت ہفت روزہ ندائے ملت اور فیملی میگزین میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

ڈاکٹر انور سدید ۸۰ سال کی عمر میں ۲۰۰۵ء کو نوائے وقت سے ریٹائر ہو گئے۔ ان کی ریٹائرمنٹ پر مجید نظامی نے کہا تھا کہ صحافی کبھی ریٹائر نہیں ہوتا چنانچہ وہ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی نوائے وقت کے لیے لکھتے رہے۔

ڈاکٹر انور سدید نے ایک بھرپور ادبی اور صحافتی زندگی گزاری ہے۔ اگر ان کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں ڈاکٹر انور سدید کی زندگی کے مختلف گوشے نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید شاعر، انشائیہ نگار، سفر نامہ نگار، خاکہ نگار، افسانہ نگار، محقق نقاد اور کالم نگار بھی تھے۔ انہوں نے ہر صنف ادب پر لکھا اُن کی ۸۷ سے زائد کتب منظر عام پر آچکی ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید نے علامہ اقبال کے حوالے سے بھی خاصہ اچھا کام کیا ہے۔ اس حوالے سے انہوں نے ''اقبال کے کلاسیکی نقوش'' جیسی شاہکار کتاب اُردو ادب کو دی ہے۔ اس کے علاوہ ''اقبال شناسی اور ادبی دنیا'' اور ''اقبال شناسی اور اوراق'' بھی منظر پر آئی ہیں۔

انور سدید کی تنقیدی کتب میں'' فکر و خیال'' ،''کھردرے مضامین'' ''نئے ادبی جائزے'' ''شمع اُردو کا سفر''، ''بر سبیل تنقید'' ''اُردو نظم کے ارباب اربعہ'' ''خطوط کے آئینے میں'' ''مشفق خواجہ ایک مطالعہ'' ''اردو ادب میں سفر نامہ''۔ جیسی نایاب کتابیں شامل ہیں اس کے علاوہ اُردو ادب کی مختصر تاریخ، اُردو ادب کی تحریکیں، کلاسیکی شعر پر ''میر انیس کی اقلیم سخن'' ''غالب کا جہاں اور'' اور اُردو رسائل کی تاریخ شامل ہیں۔

ز۔ ڈاکٹر انور سدید کی کالم نگاری: اجمالی جائزہ

ڈاکٹر انور سدید نے اپنی ملازمت کے دوران سے ہی کالم لکھنا شروع کر دیے تھے۔ ابتدا میں انہوں نے مختلف قلمی ناموں سے کالم لکھے۔ انہوں نے ''زودِ اندیش'' ''قلمبر دار'' ''تلسی داس گریب''، ''ڈاکٹر فرنویس'' اور ''فارقلیط'' کے قلمی ناموں سے کالم لکھے ہیں ان کے یہ کالم روز نامہ جسارت، امروز، مشرق، اور حریت میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ اگر ڈاکٹر انور سدید کی کالم نگاری کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ انہوں نے اپنی کالم نگاری کا سفر روز نامہ ''حُریت'' کراچی سے ۱۹۸۵ء میں ادبی کالم ''سدیدیات'' لکھ کر کیا ''سدیدیات'' ۱۹۹۰ء تک شائع ہوتا رہا ہے ریٹائرمنٹ کے بعد انہوں نے روز نامہ ''خبریں'' اور روز نامہ ''نوائے وقت'' میں اپنی کالم نگاری کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان اخبارات میں انہوں نے اپنے مستقل ادبی نام ''انور سدید'' کے تحت کالم لکھے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے انگریزی اخبارات ''دی اسٹیٹسمین'' کراچی اور ''دی پاکستان ٹائمز'' لاہور میں بھی کالم نگاری کی ہے۔ ڈاکٹر انور سدید کی کالم نگاری کے بارے میں پروفیسر سجاد نقوی یوں رقمطراز ہیں۔

> اُردو کالم نگاروں میں ایک کالم نگار ایسا ہے جسے کسی اخبار کے مالک اور ایڈیٹر سے ڈکٹیشن لینے کی کبھی ضرورت نہیں پڑی وہ ادب کا بندہ ہے، صالح سوچ اور تخلیقی ذہن اور ایسے اسلوب کا مالک ہے کہ مشکل سے مشکل بات اس طرح کہہ دیتا ہے جیسے اسے ایسے ہی کہا جا سکتا تھا۔۱۸

ڈاکٹر انور سدید کو ۱۹۸۹ء میں محترمہ بے نظیر بھٹو کے دورِ حکومت میں بہترین کالم نگاری کا ایوارڈ ملا۔ یہ ایوارڈ انہوں نے اس وقت کے سندھ کے وزیر اعلیٰ آفتاب شیخ میرانی سے حاصل کیا۔ ڈاکٹر انور سدید نے مختلف اخبارات میں کالم لکھے ہیں، جو ان کے شگفتہ اسلوب کے مظہر ہیں۔ ان کالموں کو پڑھ کر زود نویسی اور انشائیہ نگاری کا عمدہ تاثر پیدا ہوتا ہے۔ مرحوم ادیبوں پر ان کے لکھے گئے کالموں کے دو مجموعے ''ادبیان رفتہ'' اور ''زندہ لوگ'' چھپ چکے ہیں۔

ڈاکٹر انور سدید مختلف اوقات میں مختلف اخبارات اور رسائل میں کالم لکھتے رہے ہیں۔ مختلف اوقات میں انہوں نے مختلف عنوانات سے کالم لکھے ہیں۔ انہوں نے مختلف اخبارات میں جو مختلف عنوانات کے تحت کالم لکھے ہیں ان کالموں کی تفصیل سہ ماہی ''اسالیب'' سرگودھا کے سدید نمبر میں شائع ہوئی جس سے ان کی کالم نگاری کی تفصیل معلوم ہوتی ہے۔ ان کے کالموں کی تفصیل ذیل میں پیش کی جا رہی ہے۔

ڈاکٹر انور سدید کی اُردو کالم نگاری

۱۔ روزنامہ ''جسارت'' کراچی، ہفتہ وار ادبی کالم ''دید و بازدید'' ۱۹۹۳ء تا ۲۰۰۳ء

۲۔ روزنامہ ''حریت'' کراچی، ہفتہ وار ادبی کالم '' سدیدیات'' ۱۹۸۹ء تا ۱۹۹۵ء

۳۔ روزنامہ ''خبریں'' لاہور ادبی کالم ''دبستان'' ۱۹۹۵ء تا ۱۹۹۸ء

۴۔ ہفت روزہ فیملی میگزین، سیاسی کالم ''قومی سیاست'' ۱۹۹۹ء تا ۲۰۱۶ء

۵۔ ماہنامہ ''قومی زبان'' کراچی ہفتہ وار ادبی کالم ''کچھ وقت غیر ملکی کتابوں کے ساتھ'' ۱۹۸۵ء تا ۱۹۹۵ء

۶۔ روزنامہ ''مشرق'' لاہور ہفتہ وار ادبی کالم ''سدیدیات'' ۱۹۸۹ء تا ۱۹۹۹ء

۷۔ ہفت روزہ ندا لاہور، ہفتہ وار ادبی کالم ''طرفہ تماشا'' ۱۹۹۰ء تا ۱۹۹۷ء

۸۔ روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور، ہفتہ وار ادبی کالم ''ادب نامچہ'' ۱۹۹۹ء تا ۲۰۱۶ء

۹۔ روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور، ہفتہ وار سیاسی کالم ''گفتنی'' ۱۹۹۹ء تا ۲۰۱۶ء

۱۰۔ روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور، ہفتہ وار ادبی کالم ''کتابوں پر تبصرہ'' ۱۹۹۹ء تا ۲۰۱۶ء

۱۱۔ ہفت روزہ ندائے ملت لاہور، ہفتہ وار ادبی کالم ''ادب در ادب'' ۲۰۰۴ء تا ۲۰۱٦ء

ڈاکٹر انور سدید کی انگریزی کالم نگاری

۱۔ پاکستان ٹائمز لاہور ہفتہ وار ادبی کالم ۱۹۹۲ء تا ۱۹۹۵ء

۲۔ دی اسٹیٹسمین (ویکلی) کراچی ہفتہ وار کالم ۱۹۸٦ء تا ۱۹۹۰ء

حوالہ جات

۱۔ نور الحسن نیرؔ، مولانا، نور اللغات (جلد دوم)، نیشنل بک فاونڈیشن اسلام آباد، نیلاب پرنٹرز، گوالمنڈی راولپنڈی، طبع سوم ۲۰۰۶ء ص ۹۱۷۔

۲۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، (مرتب)، فرہنگ اصطلاحات جامعہ عثمانیہ، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد مطبع اظہار سنز پرنٹرز، لاہور، س ن، ص ۱۸۷۔

۳۔ عبد المجید، خواجہ، بی اے، جامع اللغات جلد سوم، جامع اللغات کمپنی لاہور، س ن، ص ۵۷۔

۴۔ Little oxford English dictionary, Edited by sara Hawker, oxford University press, New York, 2006 A.D, Page 127.

۵۔ عبد السلام خورشید، ڈاکٹر، صحافت پاکستان وہند میں، مجلس ترقی ادب، لاہور، س ن، ص ۱۲۳۔

۶۔ مسکین علی حجازی، ڈاکٹر، پنجاب میں اُردو صحافت، مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی لاہور، س ن ، ص ۲۷۔

۷۔ صفدر علی، پروفیسر، جدید اُردو صحافت، فاروق سنز لاہور، ۲۰۱۰ء ص ۱۹۶۔

۸۔ Dictionary of literary terms by Harry Shaw MCGRAW-Hill Book Company, Newyork USA Page 84.

۹۔ محمد اسلم ڈوگر، فیچر کالم اور اداریہ، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۸ء ص ۱۸۔

۱۰۔ شفیق جالندھری، ڈاکٹر، اُردو کالم نویسی، اے ون پبلشرز الفضل مارکیٹ اُردو بازار، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص ۲۸۔

۱۱۔ مسکین علی حجازی، ڈاکٹر، پنجاب میں اُردو صحافت، مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی لاہور، س ن، ص ۴۹۷۔

۱۲۔ محمد اسلم، ڈوگر، فیچر کالم اور اداریہ، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۸، ص ۱۰۱۔

۱۳۔ ایضاً، ص ۱۰۳۔

۱۴۔ ہمایوں ادیب، صحافت پاکستان میں، عزیز پبلشرز، اُردو بازار، لاہور، ۱۹۸۴، ص ۱۱۷۔

۱۵۔ سجاد نقوی، پروفیسر، پاکستانی ادب کے معمار (ڈاکٹر انور سدید: شخصیت اور فن)، اکادمی ادبیات پاکستان، H-8/11 اسلام آباد، ۲۰۱۰ء، ص ۱۵۔

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۶۔

۱۷۔ مسرت شاہین، ڈاکٹر انور سدید اردو ادب کی ایک مایہ ناز شخصیت، (مضمون) مطبوعہ: سہ ماہی اسالیب

شمارہ نمبر ۲۳ سرگودھا، ستمبر تا دسمبر ۲۰۱۶ء، ص ۳۲۔

۱۸۔ سجاد نقوی، پروفیسر، پاکستانی ادب کے معمار (ڈاکٹر انور سدید: شخصیت اور فن)، اکادمی ادبیات پاکستان H-8/1، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء، ص ۳۷۷۔

باب دوم۔

ڈاکٹر انور سدید کے کالموں میں سیاسی موضوعات

الف۔ ڈاکٹر انور سدید کے عہد کا سیاسی منظر نامہ

ڈاکٹر انور سدید ۱۹۳۲ء میں ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے پاکستان بنتے دیکھا ہے۔ جب پاکستان کا قیام عمل میں آیا اس وقت انور سدید جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ چکے تھے۔ ان کا عہد قیام پاکستان کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے اور اس عہد کا خاتمہ ان کی وفات پر ۲۰۱۶ء کو ہوتا ہے۔ انہوں نے جب کالم نگاری کے میدان میں قدم رکھا تو اس وقت ان کی عمر ۵۳ سال تھی اور وہ اپنی زندگی کے کئی نشیب و فراز طے کر چکے تھے۔ انہوں نے کالم نگاری کا باقاعدہ آغاز ۱۹۸۵ء کو روزنامہ ''حُریت'' کراچی میں ادبی کالم ''سدیدیات'' لکھ کر کیا۔ ان کے عہد کے سیاسی منظر نامے سے پہلے ان کے عہد کا تعین ضروری ہے چنانچہ ان کا عہد ۱۹۴۷ء سے ۲۰۱۶ء تک کے عرصے پر محیط ہے اور اس دور کے سیاسی حالات ان کے لاشعور میں شامل رہے ہیں۔

مقالہ زیرِ تحقیق کے اس باب میں ڈاکٹر انور سدید کے کالموں کے سیاسی موضوعات کا جائزہ لیا جائے گا۔ چنانچہ اس سے پہلے ڈاکٹر انور سدید کے عہد کے سیاسی حالات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ اس عہد کے سیاسی منظر نامے کو سامنے رکھ کر اسی تناظر میں ڈاکٹر انور سدید کی کالم نگاری کے سیاسی موضوعات کو دیکھا جائے گا۔ چنانچہ یہ دیکھا جائے گا کہ عہدِ سدید میں قومی اور بین الاقوامی افق پر کون کون سے سیاسی واقعات رونما ہوئے اور ان واقعات نے ملکی اور بین الاقوامی سیاست کی کون کون سی نئی راہیں متعارف کروائی ہیں اور ان کے ہمارے ملک پر کتنے اثرات پڑے ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید نے ان واقعات کو کس طرح دیکھا ہے۔ وہ مسائل کی کس حد تک نشاندہی کر پائے ہیں۔ انہوں نے کس حد تک اِن مسائل کا حل پیش کیا ہے۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کے وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی سے خطاب کیا۔ ۱۴ اگست کی شب بارہ بجے پاکستان دنیا کے نقشے پر ایک آزاد ملک کی حیثیت سے نمودار ہوا۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح پاکستان کے پہلے گورنر جنرل اور لیاقت علی خان پاکستان کے پہلے وزیرِ اعظم منتخب ہوئے۔ آدھی رات سے ایک منٹ قبل ریڈیو سے اعلان نشر ہوا کہ آج آدھی رات کے وقت پاکستان معروضِ وجود میں آجائے گا۔ ٹھیک بارہ بجے شب پہلے انگریزی اور پھر اُردو میں یہ الفاظ گونجے ''یہ پاکستان براڈکاسٹنگ سروس ہے'' اردو میں یہ اعلان نشر کرنے کا اعزاز مصطفیٰ ہمدانی اور انگریزی میں ظہور آزاد کو حاصل ہوا۔ ۱۵ اگست کو قائدِ اعظم

نے پہلے گورنر جنرل اور لیاقت علی خان نے پہلے وزیر اعظم کی حیثیت سے حلف اُٹھایا۔ قائد اعظم سے لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس عبد الرشید نے حلف لیا۔ سر فریڈرک بورن نے مشرقی بنگال، سر فرانس مودی نے پنجاب، شیخ غلام حسین نے سندھ اور سر جارج کننگھم نے سرحد کے گورنر اور جیو فرے پرائرے نے چیف کمشنر بلوچستان کی حیثیت سے حلف اُٹھایا۔

قیام پاکستان کے ساتھ ہی سیاسی کارکنوں اور حکمرانوں کے درمیان کشمکش کا آغاز ہو گیا تھا۔ حکمرانوں کو کچھ کالے قوانین فرنگیوں کی یادگار ورثہ میں ملے تھے۔ جن کی وجہ سے سیاسی سرگرمیوں کو کچلا جا سکتا تھا۔ ان قوانین میں فرنٹیئر کرائمز ریگولیشن، بنگال کرائمز ریگولیشن اور اجتماعی نظر بندی جیسے قوانین قابل ذکر ہیں۔ قیام پاکستان کے ساتھ ہی یہاں جمہوریت اور آمریت کی آنکھ مچولی شروع ہو گئی تھی جو آج تک چلی آرہی ہے۔ اس آنکھ مچولی سے پاکستان کو بہت نقصان ہوا۔ جمہوریت اور آمریت کی اس لڑائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے محمد رفیق ڈوگر لکھتے ہیں۔

> پاکستان کی تاریخ اور سیاست پر فوجی سازشوں اور حکومتوں کے اثرات بہت گہرے ہیں ایسی کامیاب اور ناکام سازشوں سے قومی زندگی کا ہر شعبہ متاثر ہوا سازشی جرنیلوں اور حکمرانوں نے قومی زندگی کے ہر شعبہ کو نقصان پہنچایا ملک میں جمہوری ادارے فروغ پا سکے نہ روایات مستحکم ہوئیں۔ ملکی سطح کی سیاسی جماعتیں اور سیاستدان پیدا ہوئے نہ صحت مند سیاسی ماحول پیدا ہو سکا قومی زندگی کے ہر شعبہ میں جو انتشار ہے اِجتماعی اور انفرادی سطح پر عدم تحفظ کا احساس جمہوری اداروں اور نمائندوں پر اعتماد کی کمی، یہ سب ان کامیاب اور ناکام سازشوں کی وجہ سے ہے۔ا

اگر پاکستان کی تاریخ کے پہلے دس سالوں پر نظر ڈالی جائے تو اس دوران بڑے بڑے واقعات رونما ہوئے۔ اندرونی اور بیرونی سازشوں نے اس نوزائیدہ ملک کو پاؤں پر کھڑا ہونے کہ مہلت ہی نہ دی۔ اس ملک کے خلاف سازشوں کے جال بنُے گئے۔ قیام پاکستان کے ساتھ ہی انگریز اور ہندو کی ملی بھگت سے مسلم اکثریت کی ریاست جموں اور کشمیر کا الحاق بھارت کے ساتھ کر دیا گیا۔ اسکے علاوہ اہم واقعات میں قائد اعظم محمد علی جناح کا گورنر جنرل کے عہدے پر فائز ہونا، پاکستان کا اقوام متحدہ کا رکن بننا، ریاست جُونا گڑھ پر ہندوستان کا قبضہ، سٹیٹ بنک آف پاکستان کا قیام، قائد اعظم کی وفات، پاکستان کے قومی ترانہ کا وجود میں آنا، وزیر اعظم پاکستان کا پہلا دورہ امریکہ، قرارداد مقاصد کی منظوری، پنڈی سازش کیس، لیاقت علی خان کا قتل، اسکے بعد کی بنتی بگڑتی

حکومتیں، آئین پاکستان ۱۹۵۶ء کی منظوری اور پھر اکتوبر ۱۹۵۸ء میں مارشل لاء کا نفاذ ہیں۔ اگر پاکستان کے عالمی سیاسی رول کو بین الاقوامی تناظر میں دیکھا جائے تو لگتا ہے کہ پاکستان شروع سے ہی امریکہ کے زیر اثر نظر آتا ہے۔ چونکہ پاکستان برطانیہ کی نوآبادی رہا تھا۔ امریکہ کا بڑا حریف لینن ان نوآبادیوں کو انقلاب کے ذخائر کہا کرتا تھا۔ چنانچہ امریکہ نے پاکستان کو روس کے خلاف استعمال کرنے کے لیے شروع سے ہی حکمت عملی وضع کر لی تھی چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قیام پاکستان سے پہلے ہی امریکہ نے اس خطے میں دلچسپی لینا شروع کر دی تھی۔ ڈاکٹر روش ندیم اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔

> قیام پاکستان سے ٹھیک تین ماہ سولہ دن بیشتر قائد اعظم نے بمبئی میں دو افراد سے ملاقات کی۔ ان دونوں کا تعلق "نوجوان اور تازہ دم سامراج" امریکہ سے تھا۔ اُن میں سے ایک امریکی محکمہ خارجہ کے جنوبی ایشیائی امور کے شعبے کا سربراہ ایمنڈاے ہیرا اور دوسرا ہندوستان میں امریکی سفارت خانے کا سیکنڈ سیکرٹری تھامس ای ویل تھا۔ یکم مئی ۱۹۴۷ء کو ہونے والی اس ملاقات میں قائد اعظم نے اپنے مہمانوں کو یہ باور کرانے کی کوشش بھی کہ پاکستان کا قیام امریکی مفادات کے حق میں ہو گا۔ اسلام کا یہ قلعہ سوویت یونین کی جارجیت کے خلاف اہم کردار ادا کرے گا جس کے لیے اسے امریکی امداد کی ضرورت ہو گی۔ ۲

پاکستان بننے کے بعد یہاں دو طرح کے طبقے حکمران ہوئے ایک جاگیر دار اور دوسرا درمیانہ طبقہ چونکہ ان دونوں طبقات کو انگریزوں نے ہی پیدا کیا تھا اس لیے یہ دونوں طبقے برطانوی دورِ حکومت میں انگریز کے نسل در نسل تابعدار چلے آرہے تھے کیونکہ ان دونوں طبقوں کے مفادات انگریز کے ساتھ وابستہ تھے جو اُن کو آزادی پر نہیں اکساتے تھے۔ کیونکہ آزادی انگریز کی طرح ان کے لیے بھی موت کا پیغام تھی۔ دراصل انگریز نے انہی دو طبقوں کی مدد سے ہندوستان پر حکومت کی تھی۔ قیام پاکستان بھی ایک سیاسی تبدیلی ثابت ہوا۔ معاشی اور معاشرتی سطح پر سب جوں کا توں ہی رہا۔

قیام پاکستان سے پہلے یہ باور کر لیا گیا تھا کہ کشمیر چونکہ مسلم اکثریت والی ریاست ہے لہذا اس کا الحاق پاکستان سے ہو گا مگر ڈوگرہ مہاراجہ ہری سنگھ نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور جواہر لال نہرو کے ساتھ گٹھ جوڑ سے ریاست کا الحاق بھارت کے ساتھ کرنے کا فیصلہ کیا یہ فیصلہ ریاستی عوام کو منظور نہ تھا چنانچہ ۲۳ اگست ۱۹۴۷ء کو

کشمیر کے مسلمانوں نے تحصیل باغ میں منعقد ہونے والے ایک اجتماع میں کشمیر کو ڈوگرہ راج سے آزاد کرانے کے لئے مسلح جدوجہد کا آغاز کر دیا۔

۱۱ستمبر ۱۹۴۸ء کو قائداعظم اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ خواجہ ناظم الدین نے پاکستان کے گورنر جنرل کا عہدہ سنبھال لیا۔ مارچ ۱۹۴۹ء کو پاکستان کی مجلس دستور ساز نے قرارداد مقاصد منظور کر لی اس قرارداد کا مسودہ علامہ شبیر احمد عثمانی نے تیار کیا تھا اس قرارداد میں پاکستان کے دستور کی بنیاد اور مملکت پاکستان کے مقاصد بیان کئے گئے ہیں۔

۱۴ااکتوبر ۱۹۵۱ء کو پاکستان کے پہلے وزیر اعظم قائد ملت لیاقت علی خان کو راولپنڈی میں قتل کر دیا گیا۔ ان کی جگہ خواجہ ناظم الدین نے وزیر اعظم کا عہدہ سنبھال لیا اور لندن سے بکنگھم پیلس سے ایک اعلامیہ جاری ہوا جس کے مطابق شاہ برطانیہ نے ان کی جگہ غلام محمد کو پاکستان کا گورنر جنرل مقرر کیا۔

۱۵اکتوبر ۱۹۵۳ء کو گورنر جنرل غلام محمد نے دستور ساز اسمبلی توڑنے اور ملک میں ہنگامی حالت نافذ کرنے کا اعلان کیا۔ ان کے اس اقدام کا ملک کے بہت سارے سیاستدانوں نے خیر مقدم کیا۔ ۱۹۵۴ء میں مغربی پاکستان کو ون یونٹ کی شکل دینے کی تجویز پیش کی گئی جو بعد میں قبول کر لی گئی۔ قیام پاکستان کے بعد مسلم لیگ نے پورے ملک پر سات برس تک بلاشرکت غیرے حکمرانی کی۔ مشرقی پاکستان میں جگتو فرنٹ اور مغربی پاکستانی میں ری پبلکن پارٹی کے قیام کے بعد اس کی اجارہ داری ٹوٹی۔ مشرقی بنگال میں جگتو فرنٹ، عوامی لیگ اور کرشک سرمک پارٹی برسر اقتدار رہی ہیں۔ جبکہ مغربی پاکستان میں ری پبلکن پارٹی نے وزارت سازی کی۔ اس طرح چار سال تک مرکز میں مخلوط حکومتوں کا قیام ہوتا رہا۔ ڈاکٹر محمد فاروق قریشی لکھتے ہیں۔

> ۱۹۵۸ء کے قومی سانحہ کے بعد جب ایوب خان نے مارشل لاء نافذ کیا تو تمام سیاسی جماعتوں پر پابندی لگادی گئی۔ ان کے دفاتر سربمہر کر دیے۔ ریاست کے جمہوری اداروں کو توڑ دیا گیا، ملک مکمل طور پر فوج کے قبضے میں چلا گیا۔ صوبہ سرحد میں افرادی ستیہ گری کے دوران ہزاروں افراد نے رضاکارانہ گرفتاریاں پیش کیں۔ مارشل لاء کی خلاف ورزی کرنے کے جرم کی پاداش میں کروڑوں روپے کی جائیدادیں بحکم سرکار ضبط ہوئیں۔ ۳

پاکستان کی تاریخ میں فلیڈ مارشل ایوب خان کا مارشل لاء اکتوبر ۱۹۵۸ء تا ۱۹۶۹ء کے دس سالہ عرصہ پر محیط ہے۔ یہ پاکستان کی تاریخ میں ایوبی مارشل لاء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس دور میں رونما ہونے والے اہم سیاسی واقعات میں مارشل لاء کا نفاذ، دارلحکومت کی تبدیلی، ۱۹۶۲ء کے آئین کا نفاذ، ۱۹۶۵ کی پاک بھارت

جنگ، معاہدہ تاشقند، مشرقی پاکستان میں سیاسی ہلچل، سندھ طاس معاہدہ، پاکستان پیپلز پارٹی کا قیام اور ایوبی حکومت کا خاتمہ شامل ہیں۔ اکتوبر ۱۹۵۸ء میں ملک میں مارشل لاء کے نفاذ کے بعد سے سرکاری ریڈیو اور اخبارات مسلسل فوج کی مدح سرائی میں مصروف تھے اور قوم کو تصویر کا ایک ہی رخ دکھارہے تھے۔ برہنہ آمریت اور جبر و تشدد کے اس دور میں واحد آواز جو قانون کی حکمرانی، آزادیءاظہار اور شہری آزادیوں کے حق میں مسلسل بلند ہوتی رہی وہ آواز جسٹس ایم آر کیانی کی تھی جوان دنوں مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے چیف جسٹس تھے۔

۱۹۶۴ءاور ۱۹۶۵ء کا اہم ترین واقعہ صدارتی انتخابات تھے جن میں فلیڈ مارشل ایوب خان اور محترمہ فاطمہ جناح آمنے سامنے تھے۔فاطمہ جناح اپوزیشن جماعتوں کی متفقہ اُمیدوار تھیں۔

ستمبر ۱۹۶۵ء کو پاک بھارت جنگ ہوئی۔ یہ جنگ، پاک بھارت طویل کشیدگی، آپریشن جبرالٹر اور کچھ سرحدی جھڑپوں کے نتیجے میں شروع ہوئی تھی۔اس کا باقاعدہ آغاز ۶ ستمبر کی رات کو ہوا جب ہندوستان نے لاہور اور سیالکوٹ کے بارڈر پر حملہ کیا۔ یہ جنگ سترہ دن تک جاری رہی اور ۲۳ ستمبر ۱۹۶۵ء کو روس کی سلامتی کونسل میں جنگ بندی کی قرارداد اور مذاکرات کی دعوت پر ختم ہوگئی۔ بعد میں ۱۰ جنوری ۱۹۶۶ء کو روس کے شہر تاشقند میں صدرِ پاکستان محمد ایوب خان اور بھارت کے وزیر اعظم کے درمیان معاہدہ تاشقند پر دستخط ہوئے۔

معاہدہ تاشقند پر ایوب خان اور وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو کے درمیان اختلاف پیدا ہوگئے۔ بھٹو کا خیال تھا کہ کشمیر کے مسئلے کے حل کے بغیر پاکستان کو معاہدہ تاشقند پر دستخط نہیں کرنا چاہیے تھے۔ ۳۰ نومبر اور یکم دسمبر ۱۹۶۷ء کو لاہور میں ڈاکٹر مبشر حسین کی اقامت پر ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں پاکستان پیپلز پارٹی کی بنیاد رکھی گئی اور پارٹی کے منشور میں چار اہم اصول منظور کئے گئے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

الف۔ اسلام ہمارا دین ہے۔

ب۔ جمہوریت ہماری سیاست ہے۔

ج۔ سوشلزم ہماری معیشت ہے۔

د۔ طاقت کا سرچشمہ عوام ہے۔

پاکستان پیپلز پارٹی کو غریب طبقے کی حمایت حاصل تھی اور پیپلز پارٹی کی اصل طاقت مغربی پاکستان کا نوجوان طبقہ تھا جو ملک میں سوشلزم اور مساوات پر مبنی معاشرے کے قیام کا خواہش مند تھا۔

۶ جنوری ۱۹۶۸ء کو حکومتِ پاکستان نے اعلان کیا کہ اس نے ایک سازش کا پتہ چلایا ہے جس کا مقصد مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرنا ہے۔ اس سازش کے سرغنہ شیخ مجیب الرحمن ہیں اور یہ سازش بھارت کے مقام "اگرتلا" میں تیار ہوئی ہے۔ اس سلسلے میں ۴۴افراد گرفتار کئے گئے جن میں ۱۹افراد وعدہ معاف گواہ بن گئے۔ سازش کے تانے بانے بیان کر دیئے۔ اگلے کئی ماہ تک اخبارات میں اس سازش کی تفصیلات شائع ہوتی رہیں۔ ۳۱ جنوری ۱۹۶۹ء کو ایوب خان نے جمہوری مجلس عمل کے سربراہ نواب زادہ نصر اللہ خان سے مذاکرات کرنے کا اعلان کیا۔ جمہوری مجلس عمل کے سربراہ نوابزادہ نصر اللہ خان نے ڈیفنس آف پاکستان رولز اور ایمرجنسی کو فوری ختم کرنے کا مطالبہ کیا۔ تمام گرفتار شدہ طلبا اور سیاسی کارکنوں کو رہا کرنے کی شرط عائد کی۔ ایوب خان نے ایک ایک کر کے تمام مطالبات تسلیم کر لیے۔ بھٹو اور شیخ مجیب الرحمن سمیت تمام سیاسی قیدی رہا کر دیئے گئے اور "اگرتلا" سازش کیس بھی واپس لے لیا گیا۔ ۱۱ مارچ کو گول میز کانفرنس کا آغاز ہوا جس میں جمہوری مجلس عمل نے دو متفقہ نکات پیش کیے۔ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر براہ راست انتخابات اور پارلیمانی نظام کی بحالی جس میں صوبوں کو مکمل خود مختاری حاصل ہو گی۔ مگر بھٹو اور بھاشانی نے اس مرتبہ بھی کانفرنس کا بائیکاٹ کیا۔ ایوب خان کی تمام تر "نیک خواہشات" کے باوجود گول میز کانفرنس ناکامی سے دوچار ہو گئی اور ملک میں ہنگاموں کا نہ ٹوٹنے والا سلسلہ شروع ہو گیا جس کی وجہ سے جنرل یحیٰ خان کو مارشل لاء لگانے کا جواز مل گیا۔

۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء کی صبح ایوانِ صدر میں صدر ایوب نے اپنا آخری پیغام ریکارڈ کروایا اور اپنی آخری تقریر کا اختتام ان الفاظ پر کیا تھا اب فوج کے علاوہ کوئی ادارہ ایسا نہیں جو ملک کو انتشار اور تباہی سے بچا سکتا ہو چنانچہ میں نے کمانڈر انچیف کو ہدایت کی ہے کہ وہ اپنی قانونی ذمہ داریاں پوری کریں۔

اس کے بعد یحیٰ خان نے مارشل لاء نافذ کر کے چیف مارشل لا کا عہدہ سنبھال لیا۔ یحیٰ خان نے رائے عامہ کے لیڈروں سے ملاقاتیں کرنے کے بعد چند حقیقت پسندانہ اقدام کر کے اچھی شہرت حاصل کر لی۔ دونوں حصوں کے لیے مساوی نمائندگی کے غیر منصفانہ فارمولا کی وجہ سے ۵۶ کے آئین پر اتفاق رائے نہ ہوا۔ بنگالی حق تلفی پر سخت برہم تھے ون یونٹ کے غیر جمہوری طریقہ سے چھوٹے صوبوں میں شدید اضطراب پایا جاتا تھا۔ یحیٰ خان نے جہاں پر عام آدمی کو ووٹ کا حق دیا وہاں ون یونٹ کو ختم کر کے سابقہ صوبوں کو بحال کر دیا۔ اس سے ملک کے دونوں حصوں کے عوام نے سکھ کا سانس لیا۔ اس سے یحیٰ خان کے وقار میں بڑا اضافہ ہوا۔ ملک میں آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کروائے گئے۔

۱۹۷۰ء کے پہلے عام انتخابات میں قومی اسمبلی میں شیخ مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ کو واضح اکثریت حاصل ہوئی تھی۔ جمہوری اصولوں اور روایات کے مطابق پاکستان کے قومی اسمبلی کے قائدِ ایوان بننے کے بالکل جائز حق دار تھے۔ عوامی لیگ نے مشرقی پاکستان کی اسمبلی میں بھی غالب اکثریت حاصل کی تھی۔ یہاں بھی اس کا کوئی حریف کامیاب نہ ہوا۔ مسٹر بھٹو کو مغربی پاکستان کے دو بڑے صوبوں پنجاب اور سندھ میں غیر متوقع کامیابی ملی لیکن یہ شیخ مجیب الرحمٰن کے ہم پلہ نہ تھی۔ بھٹو دوسرے نمبر پر تھے مگر وہ اس پر قناعت کرنے کو تیار نہ تھے۔ وہ خود کو شیخ مجیب الرحمٰن کے ہم پلہ ثابت کرنے کے لیے غیر جمہوری عمل میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے جمہوری عمل کی راہ میں روڑے اٹکانے شروع کر دیے۔ جرنیلوں کے ساتھ ساز باز کی اور مجیب الرحمٰن کو اقتدار منتقل نہ کرنے کی سازش کی۔ دو وزیر اعظم اور دو آئین ساز اسمبلیوں کا نعرہ بلند کیا۔ ۳ مارچ کے اجلاس ڈھاکہ میں شرکت کرنے والے مغربی پاکستان کے ممبران اسمبلی کو دھمکیاں دیں۔ اجلاس ملتوی کرنے کا مطالبہ کیا جس کو یحیٰ خان نے منظور کر لیا۔ یحیٰ خان خود بھی ہوسِ اقتدار کی وجہ سے اقتدار منتقل کرنے میں ٹال مٹول کر رہا تھا۔

منصوبہ کے مطابق سیاسی مسئلہ کو افہام و تفہیم سے حل کرنے کی بجائے گولی کی قوت سے غیر جمہوری انداز میں حل کرنے کی کوشش کی گئی۔ لاکھوں بنگالی مسلمانوں کو لقمہ اجل بنایا گیا۔ ان کے گھروں کو تاخت و تاراج کیا گیا۔ عفت مآب عصمتوں کے آبگینے چکنا چور ہوئے۔ کروڑوں بنگالی جان بچانے کے لیے دیارِ غیر میں پناہ گزین ہوئے لاکھوں کی تعداد میں ناجائز بچوں کو کنواری ماؤں نے جنم دیا۔ اس قدر گھناؤنا کھیل کھیلنے والوں کو کوئی سزا نہیں ملی۔ اس میں ملوث کئی افراد زندگی میں اور موت کے بعد سرفراز ہوئے۔ یحیٰ خان کو فوجی اعزاز کے ساتھ سُپردِ خاک کیا گیا۔

ذوالفقار علی بھٹو یو۔این۔او(UNO) میں پاکستان کا مقدمہ پیش کرنے نیویارک گئے مگر انہوں نے وہاں پہنچنے میں تاخیری حربے استعمال کیے۔ ایک طرف دشمن کی فوجیں مسلسل پیش قدمی کر رہی تھیں تو دوسری طرف مسٹر بھٹو اقوام متحدہ میں پیش ہونے کی بجائے نیویارک میں بستر علالت پر دراز ہو گئے۔ جب مشرقی پاکستان میں پاکستانی افواج کی حالت خراب ہو گئی اور بھارتی فوجوں کو مکمل برتری حاصل ہو گئی تو۔ یو این او میں پیش ہوئے۔

پولینڈ کی حکومت نے پاکستان کو متحدہ رکھنے کے لیے قرارداد پیش کی جو پاکستان کو بچانے کے لیے واحد کوشش تھی مگر مسٹر بھٹو نے وہ قرارداد بھی پھاڑ دی۔ پاکستان کو ہندوستانی فوجوں کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست کا

سامنا کرناپڑا۔ مشرقی پاکستان کے سقوط سے نوے ہزارافراد بھارت کے قیدی بنے ہزاروں مربع میل کے رقبہ پر بھارتی افواج قابض ہو گئیں۔اس دلخراش المیہ کا شرمناک پہلو یہ ہے کہ جنرل یحیٰ خان اقتدار سے چمٹا رہا۔جب دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ پاکستان کی ذلت آمیز شکست کی خبریں شائع کر رہی تھیں اس وقت پاکستان کی خبر رساں ایجنسیاں یحیٰ خان کا آئین نشر کرنے میں مصروف تھیں۔۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو بھارتی فوج ڈھاکا میں داخل ہو گئی۔ پاکستان کے ایسٹرن کمان کے کمانڈر جنرل اے کے نیازی نے بھارت اور بنگلہ دیش کی مشترکہ کمان کے جنرل آفیسر کمانڈنگ انچیف جنرل جگجیت سنگھ اروڑا کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔

دسمبر ۱۹۷۱ء کو صبح پونے نو بجے ذوالفقار علی بھٹو وطن واپس پہنچے اور سیدھے ایوان صدر چلے گئے اور صدر سے مذاکرات کئے۔اس کے بعد ذوالفقار علی بھٹو نے ملک کے دونوں عہدے صدر اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سنبھال لیے۔

صدمہ سے نڈھال قوم اور بچے کھچے پاکستان کی باگ ڈور ذوالفقار علی بھٹو نے سنبھال لی اور ملک کی تمام سیاسی جماعتوں نے غیر مشروط طور پر تعاون کا زبردست مظاہر کیا۔ ۲ جنوری ۱۹۷۲ء کو صدر مملکت ذوالفقار علی بھٹو نے دس قسم کی صنعتوں کو سرکاری تحویل میں لے لیااور قیام پاکستان کے بعد ایک طویل عرصے تک پاکستان آئین سے محروم رہا۔ چنانچہ پاکستان کے لئے ایک متفقہ آئین بنانے کے لیے ۲۵ رکنی کمیٹی تشکیل دی گئی اس کمیٹی نے بنیادی اصول طے کرنے کے بعد آئین کا ایک مسودہ تیار کر لیا جس کو ۳۱ دسمبر ۱۹۷۳ء کو قومی اسمبلی میں پیش کر دیا گیا۔ قومی اسمبلی میں طویل بحث ومباحثہ اور ۳ خواندگیوں کے بعد ۱۰ اپریل ۱۹۷۳ء کو بھارت نے اپنا پہلا ایٹمی دھماکہ کیا جس کی طاقت ۱۰ سے ۱۵ کلوٹن تھی۔

۱۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو ہالینڈ سے میٹالرجی کی ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے والے ایک محبِ وطن پاکستانی ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے ذوالفقار علی بھٹو کو خط لکھا کہ وہ یورینیم کی افزودگی جیسے پیچیدہ اور مشکل ترین کام کے ماہر ہیں۔انہوں نے بھٹو صاحب کو لکھا کہ وہ پاکستان کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔دسمبر ۱۹۷۴ء کو ڈاکٹر عبدالقدیر خان سالانہ چھٹیوں پر وطن واپس آئے تو ان کی ذوالفقار علی بھٹو سے ملاقات ہوئی۔انہی دنوں فرانس سے ایٹمی ری پراسیسنگ پلانٹ کی خریداری کے لیے بات چل رہی تھی۔ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے کہا کہ یہ پلانٹ آپ کے لیے سفید ہاتھی ثابت ہو گا۔

چنانچہ بھٹو نے کہوٹہ لیبارٹریز کے قیام کی منظوری دے دی اور ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو ایٹم بم بنانے کا پراجیکٹ دے دیا۔ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو قادیانیوں کو کافر قرار دینے کا بل قومی اسمبلی سے منظور ہو گیا۔ ۱۹۷۴ء کو

ذوالفقار علی بھٹو نے لاہور میں اسلامی سربراہی کانفرنس منعقد کروائی اور اسلامی ممالک میں اتحاد قائم کرنے کی کوششیں کیں جس کے دوررس نتائج مرتب ہوئے۔

۷ جنوری ۱۹۷۷ء کو وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو نے قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے الیکشن کرانے کا غیر متوقع اعلان کر دیا۔ انھیں خفیہ ذرائع سے پتہ چلا تھا کہ حزب اختلاف انتشار کا شکار ہے۔ اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر آئندہ پانچ سال کے لیے اقتدار پر قبضہ کر لیا جائے۔ نئے انتخابات کے اعلان کے ساتھ ہی حزب اختلاف کو تمام اختلافات بلائے طاق رکھ کر متحد ہونا پڑا۔ صرف دو یوم کے اندر مخالف جماعتوں نے "پاکستان قومی اتحاد" کا اعلان کر دیا اور حکومت کے خلاف ملک گیر تحریک شروع کر دی جس کے نتیجے میں ضیاء الحق کو مارشل لاء لگانے کا موقع مل گیا۔

۵ جولائی کی شام کو جنرل ضیاء الحق نے چیف مارشل ایڈ منسٹریٹر کی حیثیت سے ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر قوم سے خطاب کیا جس میں انہوں نے بھٹو حکومت کے خاتمے، قومی اور صوبائی اسمبلیاں توڑنے اور ۹۰ روز میں انتخابات کرانے کا اعلان کیا۔

جنرل ضیاء الحق نے یہ وعدہ کیا کہ نوے روز کے اندر انتخابات کرا کے فوج واپس بیرکوں میں چلی جائے گی۔ جب الیکشن میں اٹھارہ بیس روز کا وقفہ رہ گیا تو ستمبر کے آخری ایام میں جنرل ضیا الحق نے انتخابات ملتوی کرنے کا اعلان کر دیا اور ۱۹۸۸ء تک اقتدار پر قابض رہے۔ ۱۹۸۸ء میں ان کی موت ایک فضائی حادثے میں واقع ہو گئی۔ وہ گیارہ سال تک ملک پاکستان پر قابض رہے۔ اس دور کے اہم واقعات میں سے ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی، جنرل ضیا الحق کی نفاذ اسلام کی پالیسی، ۱۹۸۵ء کے انتخابات اور محمد خان جونیجو کی حکومت اور پھر اس کا خاتمہ، بے نظیر بھٹو کی واپسی اور ضیا الحق کی فضائی حادثے میں ہلاکت شامل ہیں۔

ضیا الحق کی جنرل جنتا نے اپنے اقتدار کو دوام دینے کے لئے مختلف حیلے بہانے تراشے۔ احتساب کے ساتھ ساتھ ملک میں اسلامی قوانین نافذ کرنے کا عزم ظاہر کرنا شروع کیا۔ حالانکہ آئین و قانون سازی عوام کے منتخب نمائندوں کا حق اور ذمہ داری ہے۔ احتساب کے نام پر سابق ممبران اسمبلی اور وفاقی اور صوبائی وزراء کو ہراساں کیا جانے لگا۔

ذوالفقار علی بھٹو کو نواب محمد احمد خان کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا اور ہائی کورٹ نے ان کو سزائے موت دینے کا اعلان کر دیا۔ مسٹر بھٹو نے ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں درخواست دائر کی اور قتل کے الزام کے خلاف خود دلائل پیش کئے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ قتل کے کسی ملزم نے بذاتِ خود

پیش ہو کر مقدمہ کی پیروی کی ہو۔ سپریم کورٹ نے دو روز تک ذوالفقار علی بھٹو کے دلائل سنے۔ ججوں کی اکثریت نے ہائی کورٹ کی جانب سے سنائی گئی سزائے موت کو بحال رکھا۔

۴اپریل ۱۹۷۹ء کو پاکستان کے سابق وزیراعظم کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ راولپنڈی جیل سے ان کی میت ہیلی کاپٹر کے ذریعے ان کے آبائی گاؤں ضلع لاڑکانہ پہنچائی گی۔ جہاں بڑی خاموشی اور رازداری کے ساتھ انہیں سپرد خاک کر دیا گیا۔ ۱۹۷۹ء کو مارشل لاء کا سب سے بڑا حریف راہ سے ہٹ گیا تو مارشل لاء حکام نے ۱۹۷۹ء کو الیکشن کی مقررہ تاریخ تبدیل کرنے کے لیے حیلے بہانے تراشنے شروع کر دیے۔

ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی کے بعد نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی کی ورکنگ کمیٹی نے مارشل لاء کے خاتمہ، ۱۹۷۳ء کے آئین کی بحالی اور نئے انتخابات کے لیے جدوجہد کرنے کے لیے ملک کی دیگر جمہوریت پسند قوتوں کو یکجا کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ ورکنگ کمیٹی نے سردار شیر باز خان مزاری کو دوسری جماعتوں سے رابطہ قائم کر کے متحدہ پلیٹ فارم قائم کرنے کا اختیار دیا تاکہ سیاسی عناصر سے مل کر مارشل لاء کا خاتمہ کیا جا سکے اور آئین کو بحال کیا جا سکے۔ ملک کی اکثر سیاسی جماعتیں ماضی میں مشترکہ اتحاد کے تجربہ سے گرز چکی تھیں۔ چنانچہ اتنی مشکلات پیش نہ آئیں اور اتحاد قائم ہو گیا۔ البتہ پی پی پی کی نصرت بھٹو نے کچھ کڑی شرائط منوانے کی کوشش کی مگر پھر وہ اس سے دستبردار ہو کر اتحاد کا حصہ بن گئیں۔

۳۰ دسمبر ۱۹۸۵ء کو ملک کا طویل ترین مارشل لاء ختم ہو گیا مگر صدر نے اتنے زیادہ اختیارات حاصل کر لیے جو انہیں بطور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بھی حاصل نہ تھے۔ ۱۹۸۶ء کو محترمہ بے نظیر بھٹو وطن واپس آگئیں۔ وہ دو برس سے جلاوطنی کی زندگی گزار رہی تھیں۔ وطن واپسی پر بے نظیر کا ستقبال ملک کا ایک منفرد ترین واقعہ تھا۔ ۱۷ اگست ۱۹۸۸ء کو جنرل ضیاء الحق ایک فضائی حادثے میں جان بحق ہو گئے یوں ان کا عہدِ حکومت بھی ختم ہوا۔ اس دور کے دیگر اہم واقعات میں افغانستان پر سوویت یونین کا قبضہ، امریکہ کی چھتری تلے افغان جہاد میں پاکستان کا صفِ اول کا کردار، مولانا مودودی کی وفات، ڈاکٹر عبدالسلام کو نوبل انعام کا ملنا، بھٹو کے بیٹوں کی دہشت گرد تنظیم الذوالفقار کی سرگرمیاں، چوہدری ظہور الٰہی کا قتل، ایم کیو ایم کا قیام، ولی خان کی کتاب Facts are facts کی اشاعت اور سیاہ چین پر بھارتی افواج کا قبضہ شامل ہیں۔

اگست ۱۹۸۸ سے لے کر اکتوبر ۱۹۹۹ء کا گیارہ سالہ دور پاکستان میں ایک بار پھر جمہوری حکومتوں کا دور ہے۔ مگر اس جمہوری دور میں بھی جمہوریت کو پھلنے پھولنے کا موقع نہ مل سکا اور جمہوریت کے خلاف سازشیں ہوتی رہیں اور سیاست دان کے ایک دوسرے کے خلاف استعمال ہوتے رہے اس جمہوری دور میں خفیہ

ایجنسیوں نے کھل کر سیاست میں مداخلت کی۔ اس دور کے اہم واقعات میں سے پہلی جنگِ خلیج ۱۹۹۱ء میں ہوئی۔ پاکستان موٹروے M-2 اور M-3 کا مکمل ہونا، پاکستان کے کرکٹ اور ہاکی کے ورلڈ کپ جیتنے، شوکت خانم میموریل کینسر ہسپتال کا قائم ہونا، پروین شاکر کا انتقال، نواز شریف اور واجپائی کے درمیان طے پانے والا معاہدہ جس کو ''اعلانِ لاہور'' کہا جاتا ہے۔ کارگل کی جنگ اور فوجی حکومت کا اقتدار پر قبضہ اور ملک میں ایمرجنسی کا نفاذ۔

۱۷ اگست ۱۹۸۸ء کو ملک کی بری فوج کے سربراہ کا عہدہ خالی ہو گیا جو جنرل اسلم بیگ نے سنبھال لیا۔ غلام اسحاق خان نے صدر کا عہدہ سنبھال لیا۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۸۸ء کو اسلام آباد میں ڈاکٹر سرفراز میر کی قیام گاہ پر آٹھ سیاسی اور دینی جماعتوں نے اسلامی جمہوری اتحاد کے نام سے ایک نیا سیاسی اتحاد بنانے کا اعلان کیا۔

۱۹۸۸ء کے عام انتخابات میں ۲۷ سیاسی جماعتوں نے حصہ لیا۔ ان انتخابات میں بھی ریکارڈ دھاندلی کروائی گئی اور کسی بھی جماعت کو واضح اکثریت نہ مل سکی البتہ پی پی پی کو ۹۳ نشستیں حاصل ہوئیں اور صدر غلام اسحاق خان نے پی پی پی کی چیئرپرسن بے نظیر بھٹو کو وزیراعظم نامزد کر دیا۔ بے نظیر بھٹو نے ملک کے گیارہویں وزیراعظم کے طور پر حلف اُٹھالیا۔ بطور وزیراعظم بے نظیر بھٹو نے مارشل لاء دور کے قوانین کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ مگر ان کی مخالفت شروع ہو گئی۔ طویل سازشوں کے بعد ۱۹۹۰ء کو غلام اسحاق خان نے قومی اور صوبائی اسمبلیاں برخاست کر دیں۔ انہوں نے آئین کے دفعہ ۵۸ ٹو بی کا سہارا لیا اور بے نظیر بھٹو کی کابینہ کو برطرف کر کے غلام مصطفی جتوئی کو عبوری حکومت کا نگران وزیراعظم بنا دیا۔

۱۶ اگست ۱۹۹۰ء کو جب صدر مملکت نے اپنے صوابدیدی اختیارات استعمال کرتے ہوئے قومی اسمبلی کی تنسیخ کا اعلان کیا تو ساتھ ہی یہ اعلان بھی کر دیا تھا کہ قومی اسمبلی کے آئندہ انتخابات ۲۴ اکتوبر ۱۹۹۰ء کو اور صوبائی اسمبلیوں کے ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۰ء کو ہوں گے۔ ۱۹۹۰ء کے انتخابات میں پاکستان پیپلز پارٹی نے تحریک استقلال، تحریک نفاذ فقہ جعفریہ اور پاکستان مسلم لیگ قاسم گروپ نے ایک اتحاد قائم کیا جس کا نام پیپلز ڈیموکریٹک الائنس رکھا گیا اور دوسری طرف حسب سابق اسلامی جمہوری اتحاد تھا جس کے سربراہ میاں محمد نواز شریف تھے۔

۱۹۹۰ کے انتخابات غلام مصطفی جتوئی کی نگران کابینہ کی زیر نگرانی ہو رہے تھے۔ جو انتہائی جانبدار کابینہ تھی۔ چنانچہ ان انتخابات کا نتیجہ وہی نکلا جو نکلنا چاہیے تھا۔ پاکستان ڈیموکریٹک الائنس نے ۱۹۸۸ء کے مقابلے میں ۵ لاکھ زیادہ ووٹ لئے مگر قومی اسمبلی کی صرف ۴۴ نشستیں حاصل کر سکی۔ جبکہ دوسری طرف اسلامی

جمہوری اتحاد نے پی ڈی اے کے حاصل کردہ ووٹوں سے فقط ایک لاکھ ۱۳ ہزار زائد ووٹ لئے اور قومی اسمبلی کی ۱۰۶ نشتیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ان انتخابات میں دھاندلی کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ جن حلقوں سے پی ڈی اے کے اُمیدوار کامیاب ہوئے ان میں ووٹوں کا ٹرن آوٹ ۱۹۸۸ء والا ہی تھا اور جن حلقوں سے اسلامی جمہوری اتحاد کامیاب ہوا وہاں کا ٹرن آوٹ دس فی صد زیادہ تھا۔

۶ نومبر ۱۹۹۰ء کو قومی اسمبلی نے ۱۵۳ ووٹوں کی اکثریت سے میاں محمد نواز شریف کو قائد ایوان اور وزیر اعظم منتخب کر لیا اسی روز میاں نواز شریف نے ملک کے چودھویں وزیر اعظم کے عہدے کا حلف اُٹھا لیا۔ ۱۸ اپریل ۱۹۹۳ء کو غلام اسحاق خان نے قومی اسمبلی کو توڑنے اور نواز شریف کی کابینہ کو برطرف کرنے کا حکم دیا۔ اسی شام میر شیر بلخ مزاری کی قیادت میں نگران کابینہ نے حلف اُٹھالیا۔ نواز شریف نے سپریم کورٹ میں اپیل کر دی اور سپریم کورٹ نے نواز شریف کی حکومت بحال کر دی مگر صدر اور وزیر اعظم کے درمیان خلیج برقرار رہی۔ اپوزیشن جماعتوں نے بھی اس موقع سے بھرپور فائدہ اُٹھایا۔ بے نظیر بھٹو نے لانگ مارچ کا اعلان کر دیا چنانچہ آرمی چیف جنرل عبد الوحید کاکڑ کی مداخلت سے ۱۸ جولائی ۱۹۹۳ء کو نواز شریف اور غلام اسحاق خان دونوں نے اپنے اپنے عہدوں سے استعفیٰ دیا۔

اکتوبر ۱۹۹۳ء کو عوام ایک بار پھر انتخابات کے مرحلے سے گزرے ان انتخابات کے نتیجے میں محترمہ بے نظیر بھٹو وزیر اعظم بن گئیں اور صدر فاروق احمد خان لغاری ملک کے صدر بن گئے۔ ۵ نومبر ۱۹۹۶ کو صدر فاروق لغاری نے ۸۵(2B) استعمال کرتے ہوئے بے نظیر بھٹو کی حکومت ختم کر دی۔ ان پر ۸ بڑے الزامات لگائے جن میں مرتضیٰ بھٹو کا قتل، سپریم کورٹ کے ججوں کی تقرری پر چیف جسٹس کی توہین شامل ہیں۔

ملک خداداد پاکستان ایک بار پھر انتخابات کے تجربے سے گزرا اور ۲۳ فروری ۱۹۹۷ء کو محمد نواز شریف ایک بار پھر پاکستان کے وزیر اعظم بن گئے۔ نواز شریف نے ''قرض اتارو ملک سنوارو'' سکیم شروع کی اور ایک کھرب روپے جمع کر کے پاکستان کے قرضے کا دسواں حصہ ادا کر دیا۔ اس دور کے اہم سیاسی واقعات میں ۵۸ (2B) کا خاتمہ، اسلام آباد، لاہور موٹروے کا قیام، سابق چیف جسٹس رفیق تارڑ کو صدر نامزد کرنا، واجپائی کے ساتھ اعلان لاہور اور ایٹمی دھماکے شامل ہیں۔ اسی دور حکومت میں کارگل کی جنگ ہوئی جسکے خاتمے پر سول اور فوجی قیادت میں اختلافات پیدا ہوئے۔ فوج کے سربراہ جنرل پرویز مشرف نے اقتدار پر قبضہ کر لیا اور نواز شریف کو اڈیالہ جیل میں بند کر دیا۔

جنرل پرویز مشرف نے ۱۲اکتوبر ۱۹۹۹ء کو ملک میں ایمرجنسی نافذ کردی اور خود ملک کے چیف ایگزیکٹو بن گئے مشرف دور کے اہم واقعات میں نواز شریف کی جلاوطنی، 9/11 کا واقعہ، افغانستان پر امریکا کا حملہ، پاکستان اور امریکا کا دہشت گردی کے خلاف اتحاد، ۲۰۰۵ء کا بدترین زلزلہ، وکلاء کی تحریک، لال مسجد کا واقعہ، ۲۰۰۲ء کے انتخابات، کشمیری مجاہدین پر پابندی، بے نظیر بھٹو کا قتل، آصف زرداری کی صدارت، مشرف کا استعفیٰ، طالبان کے خلاف آپریشن شامل ہیں۔ اس کے علاوہ مشرف نے میڈیا کو آزادی دی۔

استحکام پکڑتے ہی مشرف حکومت نے ایک عبوری حکم کے ذریعے ۲۶ جنوری ۲۰۰۰ء کو سپریم کورٹ آف پاکستان، وفاقی شرعی عدالت اور چاروں صوبوں کے ہائی کورٹس کے ۵۲ جج صاحبان سے عبوری آئینی حکم PCO کے تحت اپنے عہدوں کے از سر نو حلف اُٹھا لیے صرف ۱۴ ججوں نے حلف اُٹھانے سے انکار کر دیا۔ ۱۲ فروری ۲۰۰۰ء کو NADRA کا قیام عمل میں آیا۔ ۲۰ جون ۲۰۰۱ء کو چیف ایگزیکٹو پرویز مشرف نے صدر مملکت رفیق تارڑ کو ان کے عہدے سے فارغ کر دیا اور خود صدر کا عہد سنبھال لیا۔

۲۳ مئی ۲۰۰۱ء کو بھارت نے مشرف کو کشمیر سمیت تمام مسائل پر مذاکرات کے لیے بھارت کا دورہ کرنے کی دعوت دی اس دعوت کے جواب میں جنرل مشرف ۱۴ جولائی ۲۰۰۱ء کو دہلی پہنچے اور اگلے روز آگرہ پہنچے جہاں ان کے والد وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی کے درمیان ون ٹو ون مذاکرات ہوئے جو ناکام ہو گئے۔ ۳۰ اپریل ۲۰۰۲ء کو پاکستان کی تاریخ کا تیسرا ریفرنڈم ہوا۔ صدر مشرف مزید ۵ سال کے لیے صدر منتخب ہو گئے۔ ۱۴ اگست ۲۰۰۲ء کو جنرل پرویز مشرف نے آئین میں ترامیم کا اعلان کر دیا۔ جنہیں پارلیمنٹ کی توثیق کی ضرورت نہیں ہو گی۔ اس اعلان نامے کو لیگل فریم ورک آرڈر ۲۰۰۲ء کا نام دیا گیا۔ اس کے تحت آئین کے ۲۹ آرٹیکلز میں ترامیم کی گئیں اور آئین کی شق ۵۸(2B) بحال کر دی گئی۔

۱۰ اکتوبر ۲۰۰۲ء کو ملک میں عام انتخابات ہوئے جن کے نتیجے میں میر ظفر اللہ خان جمالی وزیر اعظم منتخب ہوئے۔ دو سال بعد میر ظفر اللہ جمالی سے استعفیٰ لے کر وزیر خزانہ شوکت عزیز کو وزیر اعظم بنا دیا گیا۔ ۹ مارچ ۲۰۰۷ء کو جنرل مشرف نے چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کو اپنے صدارتی کیمپ آفس راولپنڈی میں مدعو کیا اور ان کو اختیار کے غلط استعمال، مس کنڈکٹ اور منصب کے منافی دیگر سنگین الزامات سے آگاہ کر کے عہدہ سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کیا۔ جسٹس افتخار محمد چوہدری نے الزامات قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کے انکار پر صدر پرویز مشرف نے انھیں کام کرنے سے روک دیا۔ ان کے خلاف ریفرنس سپریم جوڈیشل کونسل کو ارسال

کر دیا۔ افتخار چوہدری نے اپنے اوپر لگائے گئے الزامات کا دفاع کیا اور ۴۳ روز کی سماعت کے بعد اپنے عہدے پر بحال ہو گئے۔

۱۶ اکتوبر ۲۰۰۷ء کو جنرل مشرف ایک بار پھر پاکستان کے صدر منتخب ہو گئے۔ ۲۷ دسمبر ۲۰۰۷ء کو محترمہ بے نظیر بھٹو کو لیاقت باغ راولپنڈی میں قتل کر دیا گیا۔

جنرل پرویز مشرف کے عہد کا سب سے اہم واقعہ 9/11 کا واقعہ ہے جس میں نیویارک کے اندر دو عمارتوں کو نشانہ بنایا گیا اس حملے کا الزام القاعدہ کے سربراہ اسامہ بن لادن پر لگایا گیا جو ان دنوں افغانستان میں مہمان کے طور پر رہ رہا تھا۔ اس حملے کے بعد امریکا نے افغانستان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ اسامہ کی گرفتاری کے لیے پاکستان سے مدد طلب کی اور فوجی اڈے مانگے۔ پاکستان نے امریکہ کا مطالبہ منظور کر کے فرنٹ لائن اتحادی کا رول ادا کیا۔ جس کے نتیجے میں ملک پاکستان بدترین دہشت گردی کا شکار ہوا۔

۱۸ فروری ۲۰۰۸ء کو ملک میں عام انتخابات کروائے گئے جس کے نتیجے میں پاکستان پیپلز پارٹی نے حکومت بنائی۔ ۲۱ فروری ۲۰۰۸ء کو پاکستان مسلم لیگ نون، عوامی نیشنل پارٹی اور پاکستان پیپلز پارٹی نے مل کر مخلوط حکومت قائم کی مگر ۵ ماہ بعد پاکستان مسلم لیگ نون حکومت سے علیحدہ ہو گئی۔ ۲۴ مارچ ۲۰۰۸ء کو یوسف رضا گیلانی کو وزیر اعظم منتخب کر لیا گیا۔

۹ ستمبر ۲۰۰۸ء کو آصف علی زرداری نے صدر کی حیثیت سے اپنے عہدے کا حلف اُٹھایا پاکستان سپریم کورٹ کے چیف جسٹس عبدالحمید ڈوگر نے ان سے حلف لیا۔ مئی ۲۰۰۹ء کو حکومت پاکستان نے سوات میں طالبان کے خلاف فوجی آپریشن کا آغاز کیا۔ جس کو پاکستان کی تمام سیاسی جماعتوں کی حمایت حاصل تھی۔ اسی سال جون میں حکومت نے جنوبی وزیرستان میں تحریک طالبان پاکستان کے خلاف آپریشن شروع کیا۔ نومبر ۲۰۰۹ء کو یوسف رضا گیلانی نے بلوچستان کی محرومیاں ختم کرنے کے لیے ایک بل منظور کروایا جس کا نام تھا۔ "آغاز حقوق بلوچستان"۔ اس بل کے تحت صوبہ بلوچستان میں بڑے پیمانے پر ترقیاتی کام کرنے منصوبہ دیا گیا۔ ۱۶ دسمبر ۲۰۰۹ء کو عدالت عظمیٰ نے NRO کو کالعدم قرار دیا۔ اس بل کے تحت پرویز مشرف نے سیاستدانوں اور بیوروکریسی کی کرپشن معاف کی تھی۔

۸ اپریل ۲۰۱۰ء کو قومی اسمبلی سے اُٹھارویں ترمیم منظور کی گئی جس کے تحت صدر سے اس کے اختیارات واپس لیئے گئے ۴ جنوری ۲۰۱۱ء کو گورنر پنجاب سلمان تاثیر کو اسلام آباد میں قتل کر دیا گیا سلمان تاثیر توہین رسالت کا مرتکب ہوا تھا۔ سلمان تاثیر کو ایلیٹ فورس کے ایک اہلکار ممتاز قادری نے قتل کیا۔ ۲ مئی

۲۰۱۱ء کو امریکن آرمی نے ایبٹ آباد میں حملہ کر کے القاعدہ کے سربراہ اسامہ بن لادن کو ہلاک کرنے کا ڈرامہ کھیلا۔ ۷ نومبر ۲۰۱۱ء کو میمو گیٹ سکینڈل سامنے آیا جس میں حسین حقانی ملوث قرار پائے۔ اس سیکنڈل سے پی پی پی گورنمنٹ کو دھچکا لگا۔ ۱۹ جون ۲۰۱۲ء کو سپریم کورٹ نے یوسف رضا گیلانی کو نااہل کر دیا۔ ۱۵ جنوری ۲۰۱۳ء کو سپریم کورٹ نے رینٹل پاور پراجیکٹ کیس کا فیصلہ سنایا۔

۱۸ فروری ۲۰۱۲ء کو گوادر پورٹ چائنہ کے حوالے کرنے کا معاہدہ ہوا۔ ۱۱ مارچ ۲۰۱۳ء کو آصف علی زرداری اور ایرانی صدر کی ملاقات ہوئی جس میں پاکستان ایران گیس پائپ لائن کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔ مارچ ۲۰۱۳ء میں ہی جمہوری حکومت نے اپنی مدت پوری کر لی۔ ملک نگران حکومت اور اگلے انتخابات کی طرف بڑھ گیا۔ ۱۱ مئی ۲۰۱۳ء کو ملک میں عام انتخابات ہوئے۔ انتخابات کے نتیجے میں پاکستان مسلم لیگ ن ملک کی بڑی جماعت بن کر ابھری مگر اس کو حکومت بنانے کے لیے مزید چھ سیٹوں کی ضرورت تھی۔ مسلم لیگ ن نے جمعیت علمائے اسلام اور عوامی نیشنل پارٹی کے ساتھ مل کر حکومت بنائی اور کچھ آزاد اراکین کو شامل کیا۔

میاں محمد نواز شریف نے جون ۲۰۱۳ء کو تیسری بار پاکستان کے وزیر اعظم کی حیثیت سے حلف اُٹھایا۔ نواز شریف کو اس دور حکومت میں بھی مختلف چیلنجز کا سامان کرنا پڑا۔ جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ پرویز مشرف پر مقدمہ چلانا
۲۔ عمران خان کا دھرنا جو ۱۲۶ دن تک جاری رہا۔
۳۔ طاہر القادری کا دھرنا اور PAT کے چودہ لوگوں کا قتل
۴۔ سول اور فوجی تعلقات میں سرد مہری
۵۔ انڈیا کے ساتھ تعلقات کی کوششیں
۶۔ آپریشن ضرب عضب
۷۔ کراچی آپریشن
۸۔ CEPEC جیسے منصوبے
۹۔ موٹرویز اور Metro کے منصوبے۔
۱۰۔ بجلی کے بڑے پراجیکٹ

میاں محمد نواز شریف کے بر سر اقتدار آتے ہی ملک کو دو بڑے چیلنجز کا سامنا تھا ایک لوڈ شیڈ نگ جس میں بجلی اور گیس دونوں کی لوڈ شیڈ نگ شامل ہے اور دوسرا خطرناک ترین دہشت گردی۔ نواز شریف نے

حکومت سنبھالتے ہی طالبان کو مذاکرات کی دعوت دی اور ساتھ یہ الٹی میٹم بھی دیا کہ جو ہتھیار نہیں ڈالے گا اُسے پوری ریاستی طاقت سے جواب دیا جائے گا۔ چنانچہ مذاکرات کی ناکامی کے بعد نیشنل ایکشن پلان منظور کیا گیا اور آپریشن ضرب عضب کے ذریعے دہشت گردی کی کمر توڑ دی گئی۔ اسی طرح نواز حکومت کی کاوشوں سے بلوچستان میں ناراض بلوچ سرداروں اور نوجوانوں کو بھی قومی دھارے میں شامل کر لیا گیا۔ کراچی جو قتل و غارت اور بدامنی کا گڑھ بن چکا تھا وہاں بھی آپریشن لانچ کیا گیا جس کو تمام سیاسی طاقتوں کی حمایت حاصل تھی اور یہ آپریشن بھی کامیابی سے ہمکنار ہوا اور اسی کے نتیجے میں ایم کیو ایم اور تحریک طالبان پاکستان اور انڈیا کا گٹھ جوڑ سامنے آیا اس آپریشن میں سندھ رینجرز اور سندھ پولیس نے بہت قربانی دی۔

دہشت گردی اور لوڈ شیڈنگ کے ساتھ ساتھ جنرل پرویز مشرف پر آرٹیکل چھ کے تحت مقدمہ چلایا گیا۔ عمران خان نے ۱۴ اگست ۲۰۱۴ء کو ملک میں دھرنا دینے کا اعلان کر دیا۔ وفاقی دار لحکومت اسلام آباد میں ۱۲۶ دن تک دھرنا جاری رہا جو آرمی پبلک سکول پشاور پر خودکش حملے کے بعد ۱۶ دسمبر ۲۰۱۴ء کو اختتام پذیر ہوا۔

دھرنا کے اختتام پر چین کے صدر نے پاکستان کا دورہ کیا۔ چین اور پاکستان کے درمیان CEPEC معاہدے پر دستخط ہوئے۔ یہ معاہدہ دھرنے کی وجہ سے رکا ہوا تھا۔ اس سے ۴۶ ارب ڈالر کی سرمایہ کاری پاکستان آئی اسی دور میں نہ صرف بجلی کے بڑے بڑے منصوبے لگائے گئے بلکہ ملک کے طول اور عرض میں موٹرویز کے جال بچھا دیئے گئے۔ پنجاب کے ۵ بڑے شہروں میں میٹرو بس کے منصوبے شروع ہوئے۔ اپریل ۲۰۱۶ء کو نواز حکومت پانامہ سیکنڈل میں بری طرح پھنس گئی اور اس سیکنڈل کی وجہ سے عمران خان کو نئی سیاسی قوت مل گئی جو نواز شریف کا سب سے بڑا حریف اور تخت لاہور پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ مارچ ۲۰۱۶ء میں ڈاکٹر انور سدید کا انتقال ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی عہد سدید جو ۱۹۴۷ء سے شروع ہوتا ہے اختتام پذیر ہو گیا۔

ڈاکٹر انور سدید کا مطالعہ بہت وسیع تھا اور وہ مختلف سیاسی سرگرمیوں پر گہری نظر رکھتے تھے چونکہ وہ روزنامہ نوائے وقت کے ایڈیٹر بھی تھے اس لیے بطور صحافی ان کا مشاہدہ بہت گہرا تھا۔ وہ مختلف سیاسی موضوعات پر اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں انتہائی روانی کے ساتھ لکھتے ہیں۔ اگر ان کے سیاسی موضوعات کی ایک فہرست بنائی جائے تو ایک طویل فہرست تیار ہو سکتی ہے۔ مقالہ زیر تحقیق میں ان کے سیاسی موضوعات کو دو اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر قسم پر علیحدہ سے تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے ان کے موضوعات کو قومی سیاست اور عالمی سیاست کے تحت علیحدہ علیحدہ دیکھا گیا ہے۔

ب۔ قومی سیاست

سیاست کالم نگاروں کا سب سے پسندیدہ موضوع رہا ہے اور اُردو کالم نگاری کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اُردو کالم نگاری میں سب سے زیادہ سیاست کے موضوع پر کالم لکھے گئے ہیں۔ اخبارات کی دلچسپی سب سے زیادہ سیاست میں ہوتی ہے اور اسکے لئے سیاسی کالموں کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ سیاسی خبروں کی تفہیم اور ان کو زیادہ وسیع تناظر میں سمجھنے کے لیے کالم ایسی معاون تحریروں کا کام کرتے ہیں جو خبروں کی صداقت پر تبصرہ بھی کرتی ہیں اور ان کے سیاق وسباق، اسباب و محرکات کی معلومات بھی ملتی ہیں۔

مقالہ زیر تحقیق میں ڈاکٹر انور سدید کے ان کالموں کا موضوعاتی جائزہ لیا جارہا ہے جو روزنامہ "نوائے وقت" میں "گفتنی" کے عنوان سے، ہفتہ روزہ "فیملی میگزین" میں "قومی سیاست" کے عنوان سے اور ہفت روزہ "ندائے ملت" میں "ادب در ادب" کے عنوان سے شائع ہوتے رہیں ہیں۔ چنانچہ قومی سیاست کے عنوان کے تحت ہم ڈاکٹر انور سدید کے ان کالموں کے موضوعات کا جائزہ لیں گے جو قومی سیاست پر مبنی ہیں۔ ایسے کالم جو ملکی سیاست پر لکھے گئے ہیں جن میں مختلف سیاسی مسائل اور سیاست کے اتار چڑھاؤ بیان کیے گئے ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید کے کالموں کے جائزے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے ادب اور سیاست دونوں پر بڑی تعداد میں لکھا ہے۔ پاکستان کی سیاسی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو پاکستانی سیاست جمہوریت اور آمریت کے درمیان بری طرح پسی ہوئی نظر آتی ہے۔ پاکستان پر کبھی سول حکمران اور کبھی فوجی حکمران حکومت کرتے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ مذہبی جماعتوں نے مذہب کے نام پر سیاست کی ہے۔ پاکستان میں مختلف لسانی اور قوم پرست جماعتیں بھی موجود رہی ہیں جن کی سیاست کا محور لسانی اور قومی تعصب رہا ہے۔

قوم پرست جماعتیں قومی اور لسانی تعصب کی بنیاد پر سیاست کرتی ہیں قوم پرست جماعتوں کی سیاست میں صوبے کے مسائل اور قوم کے استحصال کی بات کی جاتی ہے اور صوبوں میں موجود تنازعات کو ہوا دی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر عوامی نیشنل پارٹی صوبے کے نام اور کالا باغ ڈیم پر سیاست کر رہی ہے۔ اسی طرح جنوبی پنجاب کے سیاست دان سرائیکی صوبے کے قیام پر سیاست کرتے رہے ہیں۔ بلوچ قوم پرست بلوچوں کے حقوق اور پنجاب دشمنی کے نام سے زندہ ہیں اسی طرح سندھ کے قوم پرستوں نے بھی کالا باغ ڈیم پر سیاست کی ہے۔ ایم کیو ایم مہاجر قوم کے حقوق کی بات کرتی ہے۔ مذہبی جماعتیں حدود آرڈیننس اور نفاذ اسلام کے نام پر سیاست کرتی ہیں۔ پاکستانی سیاست میں فوجی حکمرانوں نے سیاست دانوں کو ایک دوسرے کے خلاف بھرپور طور پر استعمال کیا اور پھینک دیا۔ پاکستان کے تین وزیر اعظم نواب لیاقت علی خان، حسین شہید سہروردی اور محترمہ

بے نظیر کو قتل کیا گیا اسکے علاوہ پاکستان کے صدر اور وزیر اعظم رہنے والے ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دی گئی، میاں نواز شریف کو جلاوطنی کی سزا دی گئی۔ پاکستان کی سیاسی پارٹیوں کا الگ الگ منشور اور طرز سیاست ہے اور پاکستانی سیاست میں فوجی مداخلت ہر دور میں کسی نہ کسی شکل میں موجود رہی ہے۔ چنانچہ ان حالات میں پاکستانی سیاست سے اخلاقیات ختم ہو گئیں ہے اور سیاست الزام تراشی اور ہوسِ اقتدار کا نام بن کر رہ گئی ہے۔

ڈاکٹر انور سدید نے اپنے کالموں میں مختلف موضوعات پر لکھا ہے اور پاکستان کی قومی سیاست کے مسائل اور خرابیوں پر کھل کر بات کی ہے۔ انہوں نے سیاسی مسائل اور سیاسی رہنماوں کی آپس کی لڑائی کو بڑی بے باکی سے بیان کیا ہے۔ وہ صرف مسائل کی نشاندہی نہیں کرتے بلکہ ان کا حل بھی پیش کرتے ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید کا انداز بیاں سادہ اور رواں ہوتا ہے وہ انتہائی سادگی اور روانی سے لکھتے ہیں کہیں کہیں طنز سے بھی کام لیتے ہیں اور طنز بھی تعمیری نوعیت کا ہوتا ہے۔ اپنے مختلف کالموں میں انہوں نے سوال اور جواب کی تکنیک بھی اپنائی ہے۔ ان کے زیادہ تر کالم سنجیدہ سیاسی موضوعات پر مشتمل ہیں۔ سیاست دانوں کے داؤ پیچ وہ اچھی طرح سمجھتے تھے چونکہ صحافت سے ان کا گہرا تعلق تھا جسکی وجہ سے مختلف سیاست دانوں اور سیاسی جماعتوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور بطور کالم نویس ان کے مشاہدے میں پختگی آتی رہی۔ وہ سیاست دانوں اور آمروں کی چالوں اور بے ایمانیوں کو انتہائی شگفتہ انداز میں زیر بحث لاتے رہے ہیں۔

پاکستانی سیاست میں زیادہ تر جمہوریت اور آمریت کی آنکھ مچولی نظر آتی ہے۔ پاکستانی سیاست شروع سے ہی آمریت کا شکار تھی مگر سیاست میں باقاعدہ انٹری ۱۹۵۸ء میں ایوبی مارشل لاء کے بعد شروع ہوئی۔ جمہوریت اور آمریت کا گھناؤنا کھیل سکندر مرزا کی وجہ سے شروع ہوا جو آج تک چلا آرہا ہے۔ اس کھیل کی وجہ سے ملک دو لخت ہو گیا اور باقی ماندہ ملک میں بھی سیاست صحیح بنیادوں پر استوار نہ ہو سکی چنانچہ قومی سیاست کے اس پہلو پر ڈاکٹر انور سدید نے مختلف موضوعات قائم کر کے کالم لکھے ہیں۔ ان کے کچھ موضوعات جو روزنامہ نوائے وقت میں گفتنی کے عنوان سے شائع ہوتے رہیں ان میں چیدہ چیدہ موضوعات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

میر جعفر سے سکندر مرزا تک، فوجی حکوت کا ایک تجربہ اور سہی مروجہ ءجمہوریت، صرف جمہوریہ پاکستان میں، فوجی کا کروچوں سے سیاسی چوہوں تک، زرداری جمہوریت کے پانچ سال منظر و پس منظر، تلاش پاکستان، پاکستان میں وکھری ٹائپ کی جمہوریتیں، پاکستان کس کی ملکیت ہے، ذہانت کی آزمائش، صرف اسلامی ریاست میں، مغربی پاکستان کا آخری شہید وغیرہ۔

ڈاکٹر انور سدید کے ہاں بے شمار ایسے موضوعات مل جاتے ہیں جن میں وہ قومی سیاست پر بات کرتے ہیں مندر بالا موضوعات صرف روزنامہ ''نوائے وقت'' میں ''گفتنی'' کے عنوان سے شائع ہوئے ہیں اسی طرح انہوں نے ''فیملی میگزین'' میں بھی اس نوعیت کے کالم لکھے ہیں، ''ندائے ملت'' میں ان کے کالم ادبی نوعیت کے ہیں البتہ ''فیملی میگزین'' میں قومی سیاست کے عنوان پر چیدہ چیدہ موضوعات جیسے جنرل مشرف کی تقریر پر بھارتی رد عمل، ہمارے حقیقی اور اصلی حکمران سیاست میں وراثت کا مسئلہ، ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی غیر اعلانیہ نظر بندی، بحران کمزور حکمران پیدا کرتے ہیں۔ مینگو ڈپلو میسی کی روایت زندہ رکھیں، شیخ رشید کا سفر لال حویلی سے پارلیمنٹ تک، نواز شریف آفتاب احمد شیخ کی نظر میں، ذوالفقار علی بھٹو ایک صحافی کی نظر میں، چودھری شجاعت حسین کی آن دی ریکارڈ باتیں، مسرت شاہین کی سیاست میں پرواز، مولانا فضل الرحمن سے ایک غیر رسمی ملاقات، فوجی حکومت کا ایک تجربہ اور سہی، ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ، تقریر کا فرض کفایہ، متحدہ مسلم لیگ پاکستان کی ضرورت ہے۔ پاکستان کی اسلامی اساس اور جدید تقاضے، پاکستان میں کرپشن کلچر کا فروغ، غلام اسحاق خان ایک بیوروکریٹ صدر، پاکستان کے امیج کا مسئلہ، بلدیاتی انتخابات اور منفی ہدایات، حقیقی جمہوریت کے تین سال، اکتوبر کے صدمے، تباہ کن زلزلے کے اقتصادی اثرات، تین دریا کیسے کھوئے، قومی پریس کی آزادی پر دو طرفہ حملہ، وزیر اعظم شوکت عزیز کی مشکلات کا دور شروع ہو گیا، بڑے ڈیم کی تعمیر کو اولین ترجیح دینے کی ضرورت ہے۔ کالا باغ ڈیم ملک کی اہم ترین ضرورت ہے، آمروں کی لوٹ مار مغربی بینکوں کی نذر، کالا باغ ملک کے اندھیرے ختم کر سکتا ہے۔ کالا باغ کی تعمیر میں چھوٹے صوبوں کا کردار، انہوں نے بہت سارے ایسے کالام لکھے ہیں جو قومی سیاست کے اس پہلو کو بیان کرتے ہین جس میں جمہورت اور آمریت کی آنکھ مچولی ہو۔ قومی سیاست کے دیگر پہلوؤں مثلاً صوبوں کے مسائل، ڈیموں کے نام پر سیاست، اقتدار کی ہوس وغیرہ پر بے شمار موضوعات مل جاتے ہیں۔

ڈاکٹر انور سدید کے کالموں کے موضوعات کے جائزہ میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ ڈاکٹر انور سدید سیاست سے بھی بے زار ہیں اور آمریت سے بھی نالاں نظر آتے ہیں وہ صرف ملکی مسائل کی بات کرتے ہیں۔ صرف پاکستان کی بات کرتے ہیں وہ پاکستانی جمہوریت پر کھل کر تنقید کرتے ہیں۔ اپنے کالم گفتنی میں انہوں نے ''فوجی کاکروچوں سے سیاسی چوہوں تک'' کے نام سے آمروں اور سیاست دانوں کی لڑائی کو اس طرح بیان کیا ہے۔ جارج این آٹینے کے حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> مفاد پسند حکمران انقلاب کو بھی اغوا کر لیتے ہیں اور جمہوریت کے نام پر دراصل اپنے مخصوص ایجنڈے پر کام کرتے اور عوام کی ترقی اور بہبود کو اپنے جھوٹے اور ناقابل عمل وعدوں کی نذر کر دیتے ہیں اور اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کے لیے ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال میں لاتے رہتے ہیں۔ اسکی مثال اس طرح ہے کہ اقتدار سے چمٹے ہوئے ایک کاکروچ کو عوامی طاقت سے ہٹا دیا گیا ہے لیکن اس کی جگہ "چوہا" آگیا ہے جو ملک کی دولت لوٹ کر غیر ملکی بینکوں میں جمع کر رہا ہے اور عوام کو بھوک، مفلسی اور بے روزگاری کا شکار رہنا رہا ہے۔ باالفاظ دیگر اسے آمریت کے خلاف انقلاب کا نام نہیں دیا جا سکتا بلکہ جمہورت کے نام پر "کاکروچوں" کی ریشہ دوانیوں اور بغاوت سے تعبیر کرنا مناسب ہے جبکہ عالمی تاریخ ظاہر کرتی ہے کہ حقیقی انقلاب کے ثمرات کسی قوم کو جلدی حاصل نہیں ہوتے بلکہ بامعنی جمہوریت کو بحال کرنے کے لیے طویل عرصہ صرف ہو جاتا ہے۔ ۴

پاکستان میں فوجی کاکروچوں اور سیاسی چوہوں کی لڑائی پر بات کرتے ہوئے ڈاکٹر انور سدید اسی کالم میں مزید لکھتے ہیں

> جنرل پرویز مشرف نے پاکستان کو امریکہ کے پاس گروی رکھ دیا اور پھر اس ملک پر وہ صعوبتیں نازل ہونے لگیں جو افغانستان میں امریکی شکست کا بلاواسطہ نتیجہ تھیں۔ این۔ آر۔ او۔ ڈپلومیسی کے تحت زرداری گیلانی حکومت اب چار سال گزار چکی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ملک پر عملی طور پر جنرل مشرف کے آمرانہ دور کا سایہ ہے، ملک بجلی، پانی، گیس، ڈاکہ زنی، ٹارگٹ کلنگ، ڈرون حملوں اور افراط میں الجھا ہوا ہے اور یہ حقیقت سامنے آ رہی ہے کہ چار فوجی کاکروچ رخصت ہو گئے اب سیاسی چوہے بر سر اقتدار ہیں لوٹ کھسوٹ اور کرپشن عروج پر ہے۔ عوام بلبلا رہے ہیں۔ ۵

ڈاکٹر انور سدید نے "نوائے وقت" میں "گفتنی" کے عنوان سے " میر جعفر سے سکندر مرزا تک " کالم لکھا ہے اس میں وہ سکندر مرزا کے گھناؤنے کردار کو کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

> میر جعفر کو برصغیر کے مسلمانوں کی تاریخ منور کرنے کا ایک موقع ملا تھا۔ اُس نے وہ موقع ضائع کر دیا۔ میر جعفر کے وارثوں نے پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی کے برطانوی تاجروں کی غلامی کی پھر سلسلہ در سلسلہ تاج برطانیہ سے قربت اور ربط و تعلق ان کا اعزاز و افتخار بن گیا۔ سکندر مرزا اس خاندان کے آخری فرد تھے جو آزادی سے قبل برطانیہ کی فوجی مشین کا پرزہ

بنے اور پھر جوڑ توڑ کی فطری صلاحیتوں سے پہلے پاکستان کے گورنر جنرل بنے اور پھر پاکستان کے پہلے صدر بن گئے ، انہیں بھی پاکستان کی تاریخ سازی کا موقع ملا لیکن قومی تاریخ میں دوام حاصل کرنے کے اس نادر لمحے کو انہوں نے بھی کھو دیا اور اب ایران میں آسودہ خاک ہیں، جہاں دن کے اُجالے میں بھی رات کا سماں ہوتا ہے ان کی قبر کے تعویذ پر نہ چراغ جلتا ہے نہ کوئی پھول ڈالتا ہے سکندر مرزا میر جعفر خاندان کے آخری حکمران تھے جن کا نام قومی غداروں کی فہرست میں لکھا گیا۔٦

مندرجہ بالا اقتباس میں ڈاکٹر انور سدید نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ''مارشل لاء'' وہ منحوس پُل ہے جس پر سے گزر کر دشمن سامراج اور عالمی طاقتیں کسی ملک میں مداخلت کرتی ہیں اور اپنی مرضی کے فیصلے کرواتی ہیں۔ چنانچہ پاکستان میں پہلے مارشل لاء کے لیے زمین ہموار کرنے والا سکندر مرزا پاکستان کا حکمران ہے جس نے ملک پاکستان کی جمہوری حکومت پر شب خون مارا اور پھر مداخلت کا نہ رکنے والا سلسلہ شروع ہوا۔

ڈاکٹر انور سدید نے ہفت روز ''فیملی میگزین'' میں بھی ''قومی سیاست'' کے عنوان سے جمہوریت اور آمریت کی ریشہ دوانیوں پر کالم لکھے ہیں۔ ان کالموں کے موضوعات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔ قرضہ خواروں کی وارداتیں۔۔۔ ماضی سے حال تک ، فوجی حکومت کی مقامی جمہوریت کی طرف پیش قدمی ، فوجی حکومت کے سو دن، پی سی او کے تحت حلف برادری۔ کوئی نئی بات نہیں، اعلان لاہور کی پہلی سالگرہ اور اسکی پہلی برسی، مانیٹرنگ کا فوجی نظام، جمہوریت کے راستے کی نشاندہی، طیارہ سازش کیس، عدالتی فیصلہ ، قومی سیاست کا منفی عمل، نیشنل سکیورٹی کونسل کی تیسری تشکیل نو، مسلم لیگ کی نئی تقسیم، قومی سیاست پر دریائی پانی کے اثرات مسلم لیگ عروج سے زوال تک، جنرل پرویز مشرف اپنے پیش رو کے نقش قدم پر، قومی سیاست میں خفیہ ایجنسیوں کا کردار، سقوطِ جمہوریت کے بعد قومی سیاست کا ایک سال، فوجی حکومت قوم کی کیمسٹری سے نا آشنا ہے، مسلم لیگ نوابزادہ نصر اللہ کے ٹانگے پر، جلاوطنی، عوام فراموش حکمران اور تاریخ کے فیصلے ، وزیر اعظم اور صدر کے اختیارات کا توازن، نظریہ ضرورت قومی سیاست میں سبب الاسباب بن گیا وغیرہ۔

اس طرح کے بے شمار موضوعات ہیں جن پر ملکی سیاست میں جمہوریت اور آمریت کے حوالے سے لکھا گیا ہے جنرل پرویز مشرف نے جب اقتدار پر قبضہ کیا اور اُسے محسوس ہوا کہ سیاسی پارٹیوں کو ساتھ لے کر چلنا چاہیے تو ان کی نظرِ انتخاب مسلم لیگ پر پڑی اس سے پہلے بھی مسلم لیگی سیاستدان فوجی آمروں کے ہاتھوں

استعمال ہو چکے تھے چنانچہ اس اہم حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر انور سدید اپنے کالم ''قومی سیاست'' میں لکھتے ہیں کہ

> ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب ہماری تاریخ نے وہ رخ اختیار کر لیا ہے جو اس سے قبل فوجی ڈکٹیٹر ایوب خان اور جنرل ضیا الحق نے اختیار کیا تھا۔ یعنی پاکستان کی بانی جماعت مسلم لیگ کو ہائی جیک کرنے اور سرکاری لیگ بنانے کا عمل جاری ہو گیا ہے۔۷

مندرجہ بالا اقتباس سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ سیاستدان ہی ہمیشہ سیاستدان کے خلاف استعمال ہوا ہے اور مسلم لیگی سیاستدان بکاؤ مال ثابت ہوئے ہیں۔ چنانچہ یہ پاکستانی جمہوریت کی بڑی خامی ہے کہ اس کے سیاستدان اقتدار پرست ہیں اور انہوں نے محض اقتدار کی لالچ میں ہمیشہ آمروں کا ساتھ دیا ہے یہ ہماری قومی سیاست کا سب سے بڑا مسئلہ ہے جسکی طرف ڈاکٹر انور سدید نے اشارہ کیا ہے۔

مسلم لیگ کے عروج و زوال کے متعلق اپنے ایک کالم قومی سیاست جو ہفت روز فیملی میگزین میں شائع ہوا تھا لکھتے ہیں۔

> اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر عوام کا بھاری مینڈیٹ حاصل کرنے والے وزیر اعظم نے اپنی حکمران جماعت کی جڑیں زمین میں نہیں اتاریں اور ایک ایسے شجر کو پروان چڑھایا جو گملے میں اگا ہوا تھا اور جسے خوشامد کے گہرے پانی سے پروان چڑھانے کی سعی کی جارہی تھی۔ میاں نواز شریف نے اپنے بیشتر سیاسی فیصلے وقت گزر جانے کے بعد کئے۔ ان فیصلوں کا منطقی نتیجہ ان کے خلاف نکلا اور یہ مسلم لیگ کے خلاف بھی تھا۔ ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۹ء کے بعد جب نواز شریف گرفتار کر لیے گئے اور ان پر مقدمات قائم ہو گئے تو انہیں بلا توقف کسی سینئر مسلم لیگی کو قائم مقام صدر مقرر کر دینا چاہیے تھا انہوں نے ریموٹ کنٹرول سے کام چلانے کی کوشش کی اور ایک خانہ دار خاتون کلثوم نواز کو سیاست کے میدان میں اُتار دیا۔۸

پاکستان کی تاریخ میں جب کوئی آمر بر سر اقتدار آتا ہے تو عدالت عظمیٰ اسکو قانونی تحفظ فراہم کرتی ہے چنانچہ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر انور سدید یوں رقمطراز ہیں۔

> جس کسی نے یہ کہا ہے درست کہا ہے کہ عدالت عظمیٰ کے فیصلے بعض اوقات تاریخ ساز ثابت ہوتے ہیں حتی کہ یہ فیصلے ملکوں اور قوموں کی تقدیر تک بدل کر رکھ دیتے ہیں پاکستان کے ابتدائی دور میں جسٹس محمد منیر کا ایک فیصلہ محض تاریخی حیثیت ہی نہیں رکھتا

بلکہ جب کبھی ملک کے اقتدار پر ماورائے آئین فائز شخص کو جائز قرار دینا ناگزیر ہو جائے تو یہ فیصلہ بھرپور معاونت کرتا ہے'' نظریہ ضرورت'' دنیا کے کسی آئین میں نظر نہیں آتا، ہمارے ہاں یہ سب قوانین پر حاوی ہے اور بند بوتل سے نکل آنے والے جن کو بھی جائز قرار دے ڈالتا ہے۔۹

عالمی سطح پر یہ اعزاز صرف پاکستان کو حاصل ہے کہ یہاں فوج نے سیاسی حکومتوں کو برطرف کر کے چار مرتبہ فوجی حکومتیں تشکیل دیں اور بعد میں یہ بھی محسوس کر لیا کہ سیاست کا کام سیاست دانوں کو ہی سوجھتا ہے۔ یہ ادراک ہوتے ہی فوجی حکمرانوں نے جمہوریت بحال کر دی۔ لیکن یہ ایسی جمہوریتں تھیں جو فوج کے انگوٹھے تلے دبی ہوئی تھیں اور ہر اہم کام میں فوجی مانیٹر کی طرف دیکھتی تھیں۔ عملی طور پر ان لولی لنگڑی جمہوریتوں کو مارشل لاء کے سائے میں پروان چڑھایا گیا تو امر بیل کی طرح اس شاخِ نازک کی نشوونما میں مداخلت بے جا زبردست رکاوٹ بن گئیں اور اچانک وہ وقت بھی آیا کہ نشوونما کی فطری غذا سے محروم شاخ خود فوج کو نئی آبیاری کے لئے آواز دینے لگی۔

پاکستان کی قومی سیاست کا محور اقتدار کی ہوس ہی رہی ہے چاہے فوجی حکمرانوں کا شب خون مارنا ہو یا لولی لنگڑی جمہوریت ہو ہر دور میں اقتدار کی ہوس اپنی پوری طاقت سے موجود رہی ہے۔ اسکے علاوہ بھی قومی سیاست کے دیگر پہلو بھی ہیں جن میں سب سے بڑا مسئلہ دریائی پانی پر صوبوں کی لڑائی ہے اور اس لڑائی کو سیاسی رنگ دینا۔ کالا باغ ڈیم کا مسئلہ صوبوں میں موجود عدم تعاون اور صوبائی قوم پرستی کی ایک زندہ مثال ہے۔ کالا باغ ڈیم کا منصوبہ قائدِ اعظم محمد علی جناح کے دور سے زیرِ غور تھا۔ خود قائدِ اعظم نے اس جگہ کا دورہ کیا تھا اور یہاں بجلی کا ایک منصوبہ لگانے پر بات ہوئی تھی اور اسکا نام ''میانوالی ہائیڈرو پاور پراجیکٹ'' رکھا گیا تھا۔ بعد میں یہ منصوبہ التواء کا شکار ہوا۔ البتہ فیلڈ مارشل ایوب خان کے دور میں اس پر مالیاتی سروے، انجینئرنگ کے مسائل اور نقشہ جات اور تخمینہ لاگت ہر چیز زیرِ غور رہی اور اس کو حتمی شکل دے دی گئی۔ مگر فوراً ہی یہ منصوبہ سیاست کی نظر ہو گیا اور آج تک دوبارہ شروع نہیں ہو سکا۔

ڈاکٹر انور سدید کالا باغ پر کی جانے والی سیاست کو اپنے کالم ''گفتنی'' میں زیرِ بحث لاتے ہیں وہ لکھتے ہیں۔

چند روز پہلے مسلم لیگ ن کے حنیف عباسی نے قومی اسمبلی میں جب یہ زمینی حقیقت بیان کی کہ کالا باغ ڈیم بننے سے بجلی کا بحران ختم ہو سکتا ہے اور کالا باغ ڈیم کا نام تبدیل کر کے ''خیبر پی کے'' رکھ لیا جائے (کالا باغ ڈیم کا نام تبدیل کر کے بے نظیر بھٹو یا'' پاکستانی

ڈیم " رکھنے کی تجاویز پہلے بھی آچکی ہیں) اس تجویز پر اے این پی کے ارکان نے قومی اسمبلی کو مچھلی منڈی بنا دیا ملک کو اندھیروں سے نکالنے، لوڈ شیڈنگ ختم کرنے اور عوام کو سستی بجلی فراہم کرنے کے لیے مسلم لیگ ق کی رکن اسمبلی بشری رحمنٰ نے جب کہا" کالا باغ ڈیم ہر صورت بن کر رہے گا اور اس کی مخالفت کرنے والے اپنا سا منہ لے کر رہ جائیں گے تو اے این پی اور سندھ سے تعلق رکھنے والے ارکان قومی اسمبلی نے غصے میں آکر "نو نو" کے نعرے لگائے اور جب قومی اسمبلی کے سنجیدہ ایواں پر انتشار غالب آگیا تھا تو پیپلز پارٹی کے ایک رکن گل محمد جا کھرانی نے وزیر قانون بابر اعوان کا قاہرانہ رویہ اختیار کیا اور اعلان کیا کہ "جب سندھ، خیبر پی کے اور جیالے زندہ ہیں کالا باغ ڈیم نہیں بن سکتا۔ ۱۰

ڈاکٹر انور سدید کا تعلق بھی محکمہ آبپاشی سے رہا ہے اور وہ اس محکمے سے گریڈ ۱۹ سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ ان کو بی آر بی نہر لاہور کی کھدائی کی نگرانی کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ چونکہ ان کا تعلق محکمہ آبپاشی سے رہا ہے۔ چنانچہ وہ آبی وسائل اور آبی مسائل ایک عام آدمی کی نسبت زیادہ گہرائی میں جانتے ہیں اور اعداد و شمار کی روشنی میں انتہائی مدلل بات کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی تحریروں میں پاکستان کے آبی مسائل کو موضوع بنایا اور کالا باغ ڈیم کی بھرپور حمایت کی ہے۔ ڈاکٹر انور سدید اپنے کالم "گفتنی" میں لکھتے ہیں۔

صوبہ خیبر پی کے کی کل آبادی ۲۲ ملین ہے زرعی زمین صرف ۵ فی صد ہے اور ذخیرہ شدہ پانی میں حصہ ۱۴ فی صد ہے۔ بلوچستان کی آبادی ۸ ملین ہے زرعی زمین کا تناسب ۷ فی صد ہے اور پانی میں حصہ ۱۲ فی صد ہے۔ منگلا ڈیم بنانے سے سندھ کو ۳۷ فی صدر زرعی زمین کے لئے پانی پنجاب کے برابر حصہ ملے گا۔ جبکہ صوبہ خیبر پی کے کو سوائے کالا باغ ڈیم کے کہیں سے زرعی پانی دستیاب نہیں ہو سکتا۔ اسکے دو اضلاع ڈیرہ اسماعیل خان اور بنوں کو یہ پانی مل سکے تو یہ زمینیں سونا اگل سکتی ہیں۔ ۱۱

کالا باغ ڈیم کے پیچھے چھپی صوبائی نفرت اور تعصب کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں

افسوناک بات یہ ہے کہ اس دشنام آلود تصادم میں کسی رکن پارلیمنٹ نے اس ڈیم کے مفادات یا نقصانات کا تذکرہ نہیں کیا نہ اعداد و شمار سے اپنے موقف کو ثابت کرنے کی کوشش کی عقل و خرد کو نیند کی گولی دے کر سلا دیا گیا اور سستی جذباتیت غالب آگئی اور صوبائی نفرت کی خلیج وسیع تر ہو گئی جبکہ ڈیم کے تکنیکی ماہرین جن میں صوبہ "خیبر پی کے '

کے سابق وزیر اااور واپڈا کے سابق چیئر مین جناب شمس الملک بھی شامل ہیں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ کالا باغ ڈیم پنجاب کے مقابلے میں سندھ، خیبر پی کے اور بلوچستان کے لئے زیادہ مفادات کا حامل ہو گا۔ ۱۲

کالا باغ ڈیم فزیبلٹی رپورٹ مکمل ہونے کے بعد تعمیراتی بلیو پرنٹ بھی تیار ہو چکے ہیں لیکن سیاستدان جو ڈیموں کی انجنیئر نگ سے ناآشنا ہیں اور صرف اپنی کرسی ءاقتدار کو سنبھالنے کے گر جانتے اور استعمال کرتے ہیں عوام کی اس ضرورت پر توجہ نہیں دے رہے۔ مسلم لیگ ن کے سربراہ میاں نواز شریف نے جب چاغی کے مقام پر کامیاب ایٹمی دھماکے کئے تھے انہوں نے کالا باغ ڈیم بنانے کا اعلان کیا تھا لیکن چھوٹے صوبوں کی سیاسی مخالفت کی وجہ سے وہ اس بیل کو منڈھے نہیں چڑھا سکے۔ پھر جب جنرل پرویز مشرف نے اقتدار پر قبضہ کیا تو انہوں نے بھی کالا باغ ڈیم بنانے کا علان کیا تھا۔اس ڈیم کی عدم تعمیر کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۰۱۰ء کے سیلاب موت کا پیغام لے کر آئے۔ لاکھوں لوگ بے گھر ہو گئے ہزاروں سیلاب کی نذر ہو گئے۔ ۵۶ ملین ایکٹر پانی تباہی مچا کر سمندر میں گر گیا۔ان ٹھوس حقائق کو ہمارے کوتاہ نظر سیاستدان فراموش کر رہے ہیں۔افسوسناک بات یہ ہے کہ معترض صوبے بھی لوڈ شیڈ نگ کے بدترین عذاب سے گزر رہے ہیں جبکہ ملک کے قابل ترین انجینئر بی اے ملک، ملک رمیز احمد، شمس الملک صاحب اور انجینئر نگ کانگرس کالا باغ ڈیم کو مفید ترین منصوبہ اور سستی بجلی کا وسیلہ قرار دے چکی ہے۔

جب سے پاکستان معرض وجود میں آیا ہے ہمارے سیاست دانوں نے منفی سیاست کو ہی رواج دیا ہے۔ چنانچہ اس منفی سیاست کے طرز عمل کا سب سے زیادہ نقصان عوام کو ہوا ہے۔ سیاست دانوں نے تو بدعنوانیوں سے اپنے وارے نیارے کر لئے ہیں، مگر عوام منفی سیاست کی بھینٹ چڑھ گئی ہے اور ملک پاکستان اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہو سکا۔

پاکستان کی قومی سیاست میں ہمیشہ خفیہ ایجنسیوں کا ہاتھ رہا ہے۔ خفیہ ایجنسیوں نے ہر دور میں سیاست دانوں کو بیچا اور خریدا ہے۔ دھاندلی کے ذریعے اپنی مرضی کی حکومتیں بنائی ہیں چنانچہ قومی سیاست کے اس اہم مسئلے پر بھی ڈاکٹر انور سدید نے قلم اُٹھایا ہے اور پاکستانی سیاست میں خفیہ ایجنسیوں کے موضوع پر بھی کالم لکھے ہیں وہ اپنے ایک کالم میں لکھتے ہیں کہ

ہمارے سیاسی لیڈروں نے بکاؤ مال بننے، ایجنسیز کی ترغیب و تحریص کا شکار بننے اور اقتدار کی طرف چور دروازوں سے جانے سے کبھی گریز نہیں کیا۔ ۱۹۸۸ء کے بعد منعقد ہونے

والے انتخابات بلاشبہ سیاسی عمل کا حصہ تھے اور اس وقت کے کمانڈر انچیف مرزا اسلم بیگ نے جنہوں نے ضیاء الحق کی ناگہانی وفات کے بعد حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تھی۔۔۔۔۔ نہ صرف تین ماہ کے اندر انتخابات کروائے بلکہ سب سے زیادہ سیٹیں لینے والی پارٹی اور بے نظیر بھٹو کے وزیر اعظم بننے کے لئے راہ ہموار کی۔ان کے پس پشت عوام کی طاقت بھی تھی مگر بعض تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ ان کو اقتدار تک لانے کے لیے فوج نے بالعموم اور آئی ایس آئی نے بالخصوص ایک کردار ادا کیا تھا۔۱۳

پاکستان کے تمام وزرائے اعظم کی سیاست میں انٹری ہمیشہ فوجی اسٹیبلشمنٹ کے مرہوں منت ہی رہی ہے۔یہی وجہ ہے کہ پاکستانی سیاست دان عوام میں اپنی جڑیں مضبوط نہیں کر سکے۔

ڈاکٹر انور سدید کی کالم نگاری کے جائزے سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے قومی سیاست کے موضوع پر جو کالم لکھے ہیں وہ ہماری قومی سیاست کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ پاکستانی سیاست کے مسائل میں جمہوریت اور آمریت کی لڑائی سب سے بڑا مسئلہ ہے جس کی وجہ سے ملک آج تک اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو سکا۔اس کے علاوہ صوبائی تعصب اور صوبوں کے مسائل جس میں کالا باغ ڈیم کی تعمیر کا مسئلہ ہے۔ملک کی معاشی صورت حال، دہشت گردی کا مسئلہ، کرپشن، مہنگائی، غربت اور ناخواندگی جیسے بے شمار ایسے مسائل ہیں جو پاکستانی منظر نامے پر چھائے ہوئے ہیں۔ڈاکٹر انور سدید نے اپنے کالموں میں ایسے تمام مسائل کو موضوع بنایا ہے اور انتہائی جرات مندی سے ان مسائل پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے انہوں نے نہ صرف مسائل کی نشاندہی کی ہے بلکہ ان کے اسباب اور حل پر بھی بحث کی ہے۔

ج۔ عالمی سیاست

عالمی سیاست کے دو بڑے مراکز روس اور امریکہ ہیں۔ باقی ممالک ان دونوں کی کٹھ پتلیاں ہیں اور ان ممالک کی سیاست بھی ان ہی دو مراکز کے گرد گھومتی نظر آتی ہے۔ سوویت یونین کے خاتمے کے بعد کسی حد تک عالمی دنیا کا جھکاؤ امریکہ کی طرف رہا ہے مگر ان دو مراکز کے درمیان رسہ کشی جاری رہی ہے۔ سوویت یونین کے خاتمے سے امریکہ واحد سپر پاور بن کر سامنے آیا۔ امریکہ نے نیو ورلڈ آرڈر کی تلوار سے دنیا کو فتح کرنا شروع کر دیا۔ دوسری طرف روس نے گورباچوف کے نظریہ ''پرسٹرائیکا'' پر عمل کرتے ہوئے اپنے آپ کو معاشی طور پر مستحکم کیا۔ ان دو طاقتوں کے ساتھ ساتھ اگر کوئی تیسری طاقت جو خطرہ ثابت ہو سکتی تھی وہ اسلام کی

طاقت تھی مگر مسلمانوں کی زبوں حالی کا یہ حال تھا کہ وہ عالمی منظر نامے میں کوئی قابل ذکر کردار ادا نہیں کر سکے۔ مسلمان اپنی سرزمین اور اپنے مفادات کا دفاع کرنے میں بھی بری طرح ناکام رہے ہیں۔ مسلمان حکمران یا تو امریکہ یا پھر روس کے کاسئہ لیس بنے رہے ہیں۔ ان دو طاقتوں کی لڑائی میں اگر کوئی علاقہ میدان جنگ رہا ہے تو وہ مسلمانوں کا علاقہ ہے اور ان دونوں کی جنگ کا ایندھن مسلمان کا خون بنا ہے۔

اگر عالمی منظر نامے پر نظر ڈالی جائے تو ہمیں افغان جنگ نظر آتی ہے جس میں مسلمان بے گھر ہوئے، اسکے علاوہ عراق، شام، فلسطین، لبنان، بوسنیا، چیچنیا، کشمیر، صومالیہ، یوگوسلاویہ، یہ سب عالمی درندگی کی زندہ مثالیں ہیں۔ امریکہ عالمی سرمایہ درانہ نظام کا محافظ ہے اور روس اشتراکیت کا علمبردار ہے۔ ان دو قوتوں کے سامنے مسلمان راکھ کا ڈھیر ثابت ہوئے ہیں۔ ان دو طاقتوں کے متوازی ایک تیسری طاقت ابھر کر سامنے آرہی ہے اور وہ چین کی طاقت ہے۔ چین کی عالمی سیاست میں انٹری سے نئے اتحاد بن رہے ہیں اور نئے سیاسی افق طلوع ہونے کو ہیں۔

عہد سدید میں یوں تو بے شمار واقعات ہیں مگر 9/11 کا واقعہ ایسا واقعہ ہے جس نے عالمی سیاست اور اخلاقیات کے سارے معیار بدل کر رکھ دیے۔ مسلم ورلڈ کے طول و عرض میں دہشت گردی کے نام پر کاروائیاں ہونے لگیں۔ اسی عہد میں دنیا نے وطن کے بت کو توڑ کر سرمائے کے بت کو پوجنا شروع کر دیا۔

ڈاکٹر انور سدید کے کالموں کے جائزے سے پتہ چلتا ہے کہ جیسے ساری دنیا ان کی نظروں کے سامنے ہو انہوں نے عالمی منظر نامے میں رونما ہونے والے ہر چھوٹے بڑے واقعے کو موضوع بنایا ہے۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا اور عالمی منظر نامے پر ان کی گہری نظر تھی۔ ڈاکٹر انور سدید نے عالمی منظر نامے اور عالمی سیاست کے نشیب و فراز کو اپنے کالموں میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے ۔انہوں نے عالمی سیاست کے ایسے تمام موضوعات کا احاطہ کیا ہے جن کی وجہ سے عالمی سیاست کا قبلہ تبدیل ہوتا رہا ہے اور عالمی سیاست کبھی ایک اور کبھی دوسرے مرکز کے گرد گھومتی رہی ہے۔

عالمی منظر نامے پر عالمی طاقتوں کے گٹھ جوڑ، پسماندہ ممالک میں دراندازی، سرمایے کی جنگ، اسلحہ کی دوڑ، ملکوں کے باہمی مفادات اور معاہدات۔ ہر چیز کو انہوں نے انتہائی باریکی سے دیکھا ہے اور اپنے قارئین کو ان سے آگاہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ عالمی سیاست پر ان کے لکھے گئے کالموں کی چیدہ چیدہ موضوعات مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ امریکہ کے صدارتی انتخابات اور مسلم فیکٹر

۲۔ کشمیر کے مجاہدین سے پاکستان کا اظہار یک جہتی

۳۔ مینگو ڈپلومیسی کے روایت کو زندہ رکھیے

۴۔ دجال مستقبل کی بجائے زمانہ حال کے لیے چیلنج ہے۔

۵۔ اعلان لاہور کی پہلی سالگرہ اس کی پہلی برسی ثابت ہوئی۔

۶۔ پڑوسی ممالک کی چکی میں پھنسا ہوا پاکستان۔

۷۔ طالبان کی پسپائی اور پاکستان پر اثرات

۸۔ امریکی کی دوغلی پالیسی

۹۔ افغانستان کی جنگ پاکستان کی طرف بڑھنے لگی ہے

۱۰۔ طالبان اور اقوام متحدہ کی ثالثی

۱۱۔ مشرق وسطیٰ میں ایٹمی تصادم کا خطرہ

۱۲۔ فلسطین اور اسرائیلی پولیس میں جنگ

۱۳۔ ترکی میں اسلام پسندوں کے خلاف آپریشن

۱۴۔ اسامہ بن لادن کو اغوا کرنے کا امریکہ منصوبہ

۱۵۔ امریکہ کے صدارتی انتخاب کا پھڈا

۱۶۔ پاکستان پر بھارت کا واٹر بم سے حملہ

۱۷۔ کشن گنگا کیس۔۔۔پاکستان کی کمزور وکالت

۱۸۔ امریکہ میں وال سٹریٹ کے خلاف تحریک

۱۹۔ اعلانِ واشنگٹن اور فاروق لغاری

۲۰۔ امریکی یہود و ہنود سب ایک ملت ہیں

۲۱۔ تیسرے ہزاریے اور اکیسویں صدی کی دہلیز

۲۲۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں مغربی پریس کا کردار

۲۳۔ تاج محل سے ورلڈ ٹریڈ سنٹر تک

۲۴۔ امریکہ، فوج اور سیاستدان

۲۵۔ جنرل پرویز مشرف کی تقریر پر بھارتی ردعمل

۲۶۔ ٹریسلر صاحب کا راگ درباری

۲۷۔ روسی صدر کا استعفیٰ

۲۸۔ کشمیر مجاہدین اور بھارتی فوجیوں میں جھڑپ

۲۹۔ تیونس کا عوامی انقلاب

۳۰۔ پاکستان کے لیے خطرے کی گھنٹی

۳۱۔ ریمنڈ ڈیوس کیس میں امریکی تجزیہ نگار

۳۲۔ امریکی صدر بش کا ہذیان

۳۳۔ گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کے حملوں کی برسی

۳۴۔ دہشت گردی ناؤم چومسکی کی نظر میں

۳۵۔ نیپال میں عوام کی فتح

۳۶۔ آزاد بلوچستان مغرب ک ایک تجزیاتی در فنطنی

۳۷۔ امریکی خارجہ پالیسی پر دانشور فوکویاما کا حملہ

۳۸۔ امریکہ بھارت ایٹمی معاہدہ اور ڈاکٹر قدیر خان

۳۹۔ مسئلہ کشمیر پر ٹریک ٹو ڈپلومیسی

۴۰۔ طالبان اور شمالی اتحاد

۴۱۔ سی ٹی بی ٹی پر وزیر خارجہ عبدالستار کی نئی دلیل

۴۲۔ روس کی چیچنیا سے پسپائی

۴۳۔ طیارہ ہائی جیکنگ کا ڈراپ سین

مندرجہ بالا موضوعات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ڈاکٹر انور سدید عالمی سیاست سے پوری طرح باخبر ہیں۔ عالمی منظر نامے میں ہونے والی تبدیلیاں اور اُن تبدیلیوں کے پیچھے چھپی ہوئی عالمی سیاست کو ڈاکٹر انور سدید نے اپنے موضوعات میں سمیٹ لیا ہے۔ عالمی سیاسی خبروں کی تفہیم اور ان خبروں کو وسیع تناظر میں سمجھنے کے لیے ڈاکٹر انور سدید کے کالم معاون تحریروں کا کام دے سکتے ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید کی کالم نگاری کے موضوعات عالمی سیاست کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے عالمی طاقتوں کی ریشہ دوانیوں اور باہمی گٹھ جوڑ کو

اپنے کالموں کا موضوع بنایا ہے۔ انہوں نے مسلمان ممالک میں عالمی طاقتوں کی دراندازی اور اُس کے پیچھے چھپے ہوئے معاشی فوائد اور عالمی اجارہ داری کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے۔

اگر عالمی سیاست کا جائزہ لیا جائے تو دوسری جنگ عظیم کے بعد سے عالمی سیاست امریکی مفادات کے گرد گھومتی نظر آتی ہے۔ اقوام متحدہ کی حیثیت امریکی لونڈی سے بڑھ کر نہیں ہے۔ نیو ورلڈ آرڈر کی آڑ میں امریکہ نے دنیا کی کمزور اقوام پر اپنا تسلط قائم کر لیا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید نے عالمی سیاست میں امریکی کردار کو بے نقاب کیا ہے۔ انہوں نے اپنے کالموں میں ایسے موضوعات قائم کیے ہیں جس سے امریکی سازش بے نقاب ہوتی نظر آتی ہے۔ وہ اپنے ایک کالم بعنوان ''امریکہ کی دوغلی پالیسی'' جو فیملی میگزین میں شائع ہوا لکھتے ہیں۔

> امریکہ اپنی سابقہ روایات کے مطابق اپنے حلیف پاکستان کے ساتھ مخلص نظر نہیں آتا۔ گزشتہ ہفتے یہ شوشہ چھوڑا گیا کہ جنرل پرویز مشرف عدم استحکام کا شکار ہوں تو پاکستان کے ایٹمی ہتھیاروں کی حفاظت کون کرے گا۔ پاکستانی بم کے عدم تحفظ کا خوف پیدا کر کے یہ افواہ بھی پیدا کی گئی کہ نئی حکومت پر بنیاد پرست قابض ہو جائیں گے اور بم کی کلید بھی اُن کے ہاتھ لگ جائے گی۔ ۱۴

ڈاکٹر انور سدید نے اپنے اس کالم میں یہ پیشگوئی بھی کی تھی کہ امریکہ افغانستان میں جنوبی ایشیا کے امن کو تباہ کرنے آیا ہے اور امریکہ افغان جنگ پاکستان میں داخل ہو جائے گی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ انور سدید کی ۲۰۰۱ء میں کی گئی پیشگوئی سچ ثابت ہوئی اور پاکستان اپنی تاریخ کی بدترین دہشت گردی کا شکار ہوا۔

۱۱ستمبر ۲۰۰۱ء کو نیو یارک میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور واشنگٹن میں پینٹاگون کی عمارت پر خود کش ہوائی بمباروں نے جو حملہ کیا تھا اس کا الزام اسامہ بن لادن پر لگایا گیا۔ اس الزام کی آڑ میں امریکہ نے ساری دنیا کو اپنا حلیف بنا کر افغانستان پر حملہ کر دیا۔ انور سدید 9/11 کے واقعات کو امریکی سازش قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ امریکہ کو ہر دور میں ایک دشمن کی ضرورت ہوتی ہے جس کی آڑ لے کر وہ مختلف ممالک پر حملہ کرتا ہے اور اپنی اجارہ داری قائم کرتا ہے۔

ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں

> حیرت ناک بات یہ ہے کہ افغانستان کے مظلوم بے گناہ اور نہتے عوام پر جس ایک شخص کو زندہ یا مردہ گرفتار کرنے کے لیے کاروائی کی گئی تھی۔ کابل میں شمالی اتحاد کی فوجیں داخل کرنے کے بعد عالمی نیٹ ورک پر اس کا نام تک نہیں لیا جا رہا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

امریکہ نے جس طرح خلیج کی جنگ میں اپنی فوجیں عرب میں اتار کر اور عراق کی فوج کو کویت سے نکال کر اپنے مقاصد حاصل کر لیے تھے تو عراق کے صدر صدام حسین کو زندہ چھوڑ دیا کیوں کہ اسے ایک دشمن کی ضرورت تھی جس کی آڑ میں مشرق وسطیٰ پر حملہ کیا جا سکے اور اسرائیل کو تقویت دی جائے افغانستان کی صورت حال بھی اس سے مختلف نظر نہیں آتی۔۱۵

مندرجہ بالا اقتباس کو سامنے رکھ کر اگر سوچا جائے تو انور سدید کا یہ خدشہ درست نظر آتا ہے کہ امریکہ کو ہر دور میں ایک دشمن کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس طرح اس نے صدام حسین کی آڑ لے کر عرب ممالک میں اپنی اجارہ داری قائم کی ہے اسی طرح اسامہ بن لادن کی آڑ لے کر جنوبی ایشیا پر اپنی اجارہ داری قائم کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ صدام حسین اور اسامہ بن لادن کو مارنے میں امریکہ نے طویل عرصہ گزار دیا اور جب ان دونوں کو منظر سے ہٹا دیا تو ''داعش'' کے نام سے ایک دہشت گرد تنظیم بنا کر ایک نیا دشمن پیدا کر لیا تا کہ مشرق وسطیٰ اور افغانستان میں طویل قیام کیا جا سکے۔

ڈاکٹر انور سدید نے اپنے کالموں کے موضوعات میں امریکی پالیسیوں کو خوب نشانہ بنایا ہے۔انور سدید کے کالم امریکہ کا اصلی چہرہ دنیا کے سامنے بے نقاب کرتے ہیں۔ وہ امریکہ کے دوہرے معیار اور عالمی اجارہ داری کا پردہ چاک کرتے ہوئے اپنے ایک کالم بعنوان ''امریکی صدر بش کا ہذیان'' میں لکھتے ہیں۔

جارج ڈبلیو بش کو بھی ان تنگ نظر عیسائیوں میں ہی شمار کرنا چاہیے جو اپنے والد سینئر بش کی طرح درحقیقت مسلمانوں کے خلاف'' کروسیڈ'' ہی لڑ رہا ہے۔ اس نے اولاً افغانستان پر ان مجاہدین پر بارود کی بارش کی جنہیں امریکہ نے سوویت یونین کے خلاف جنگ میں ''جہادی'' قرار دیا تھا اور ویت نام کی شکست کے بدلہ لینے کے لیے انھیں گولہ بارود دیا تھا امریکہ کے ایماء پر ہی صدام نے ایران کے خلاف آٹھ سال تک جنگ لڑی تھی اور امریکہ کی روح کو تسکین دینے کی کوشش کی تھی۔۔۔۔ جب سوویت یونین مہندم ہو گیا اور امریکہ دنیا کی ایک قطبی سپر پاور بن گیا تو اس کے اندر سے ''شیطان'' عظیم نکل آیا اور اس نے پوری دنیا کے وسائل پر قبضہ کرنے کی منصوبہ بندی کر لی۔۱۶

ڈاکٹر انور سدید نے پاکستان کے خلاف امریکی اور بھارتی گٹھ جوڑ پر کالم لکھ کر امریکی اور بھارتی گٹھ جوڑ کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے۔انہوں نے اپنے کالموں کے ذریعے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش بھی کی

ہے کہ دنیا کے تمام کفار ایک ملت ہیں اور وہ کسی طرح بھی مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے اور بالخصوص پاکستان کے ایٹمی قوت بن جانے کی بعد ان کی سازشوں اور چالبازیوں میں اور تیزی آگئی ہے۔ انہوں نے امریکی اور بھارتی گٹھ جوڑ اور ریشہ دوانیوں کو سامنے لانے کے لیے مندرجہ ذیل موضوعات قائم کیے ہیں۔

''امریکی'' ''یہود و ہنود'' ''سب کافر ایک ملت ہیں، امریکہ، بھارت اور ڈاکٹر عبد القدیر خان، تین دریا کیسے کھوئے، سقوط ڈھاکہ میں مغربی پریس کا کردار، مسئلہ سیاچین پر خورشید قصوری کی خوش فہمی ''آزاد بلوچستان'' مغرب کی ایک تجزیاتی در فنطنی، چانکیہ اور اس کی کتاب ارتھ شاستر وغیرہ یہ سب ایسے موضوعات ہیں جو امریکہ اور بھارتی سازشوں کو بے نقاب کرتے ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید کی کالم نگاری کے موضوعات کا جائزہ لیا جائے تو اس میں مسئلہ کشمیر، پانی کے مسائل اور افغانستان میں بھارتی مداخلت، آزاد بلوچستان کا نظریہ اور اسی نوع کے دیگر مسائل پر مبنی موضوعات مل جاتے ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید نے افغانستان میں بھارتی مداخلت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کالم بعنوان ''پڑوسی ممالک کی چکی میں پھنسا ہوا پاکستان'' میں لکھا ہے: '' پاکستان کے دو پڑوسی ملک جو پاکستان کی داخلہ اور خارجہ پالیسی پر بالواسطہ اور بلاواسطہ اثر انداز ہوتے ہیں، وہ افغانستان اور بھارت ہیں''۔ ۱۷

ڈاکٹر انور سدید نے ایسے موضوعات پر کالم لکھے ہیں جن سے امریکہ، اسرائیل اور بھارت کا گٹھ جوڑ سامنے آتا ہے۔ انہوں نے اپنے کالموں کے ذریعے بھارت کے گھناؤنے کردار کو سامنے لا کر پاکستان کے مفادات پر پہرہ دینے کی کوشش کی ہے۔ ڈاکٹر انور سدید جب عالمی سیاست پر لکھتے ہیں تو وہ ایک عالمی امور کے ماہر کا روپ دھار لیتے ہیں اور واقعات اور ان کے سیاق وسباق اور محرکات کو اس انداز میں بیان کرتے ہیں کہ عالمی سیاست کا پورا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ حالات حاضرہ پر ان کی اتنی گرفت ہے کہ کوئی معمولی سے معمولی واقعہ بھی ان کی نظر سے بچ نہیں سکتا۔ مختلف قوموں کی نفسیات، تاریخ اور جغرافیے سے انھیں آگہی حاصل ہے۔ عالمی واقعات کو قوموں کی نفسیات اور تاریخ کے تناظر میں رکھ کے بیان کرتے ہیں اور مستقبل کے لئے نئی عالمی صفت بندیوں اور پالیسوں کی پہلے سے نشاندہی کر دیتے ہیں۔ انہوں نے آج سے ۲۰ سال پہلے جو پیش گوئیاں کی تھیں وہ آج سچ ثابت ہو رہی ہیں۔ عالمی سیاست کے موضوع پر ان کے موضوعات کا محور، امریکہ کا دوہرا معیار، بھارت کی پاکستان دشمنی، افغانستان کا عدم استحکام رہے ہیں۔ مگر وہ عالمی سطح پر رونما ہونے والی دوسری تبدیلیوں اور واقعات سے بھی غافل نہیں ہیں ان کی کالم نگاری میں بے شمار ایسے موضوعات مل جاتے ہیں جن میں عالمی سیاست کے دیگر واقعات کا ذکر ہوتا ہے۔ انہوں نے چیچنا، یوگوسلاویہ، صومالیہ، عراق، شامل فلسطین کی

صورت حال اور وہاں پر عالمی طاقتوں کی ریشہ دوانیوں کو اپنے کالموں کا موضوع بنایا ہے۔اس کے علاوہ انہوں نے امریکی صدارتی انتخابات، فرانس کے صدارتی انتخابات، نیپال، بنگلہ دیش، کرغیزستان اور اسطرح کے کئی ممالک کے عام انتخابات اور ان ملکوں کی داخلی سیاست پر بھی کالم لکھے ہیں۔

ڈاکٹر انور سدید کے عالمی اور قومی سیاست کے موضوعات پر لکھے گئے کالموں کو اگر ایک جگہ جمع کیا جائے تو عہد سدید کی تاریخ مرتب کی جا سکتی ہے انہوں نے براہ راست ملکی اور بین الا قوامی سیاست کو اپنے کالموں کا موضوع بنایا ہے۔ سیاست کا سب سے اہم شعبہ خارجہ امور ان کے موضوعات کا محور رہا ہے۔ انور سدید نے اپنے زور علمی اور مخصوص تجزیاتی انداز میں عالمی سیاست کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ان کے کالم کا انداز تحریر اور فکری پختہ کاری ان کے گہرے مشاہدے اور تجربے کی غماز ہے۔انہوں نے اپنے کالموں کے ذریعے ملی اور قومی جذبات کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ڈاکٹر انور سدید سیاسی صورت حال کا تجزیہ کرتے ہوئے معروضی حالات اور ممکنات کو خاص اہمیت دیتے ہیں۔ان کے کالم پڑھنے والوں کی سیاسی بصیرت اور شعور میں اضافہ کرتے ہیں۔ان کے کالم ایک ایسا میزانیہ ہیں جو عالمی طاقتوں کی ریشہ دوانیوں اور ہمارے سیاسی اکابرین کی غلط فہمیوں کو سامنے لاتے ہیں۔ان کے کالم عالمی سیاسی موضوعات کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ رفیق ڈوگر، سول اور فوجی سازشیں، دید شنید پبلشرز لاہور، ۱۹۹۶ء ص ۹

۲۔ روش ندیم، ڈاکٹر، پاکستان برطانوی غلامی سے امریکی غلامی تک، تخلیقات لاہور، ۱۹۹۳، ص ۱۰۵

۳۔ محمد فاروق قریشی، ڈاکٹر، پاکستان، جمہوریت کا زوال، مکتبہ فکر و دانش، لاہور، ص ۳۷

۴۔ انور سدید، ڈاکٹر، فوجی کا کروچوں اے ایس سی چوہوں تک، (کالم بعنون: گفتنی) مطبوعہ: روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۲۰ اکتوبر ۲۰۱۱ء، ص ۱۴

۵۔ ایضاً، ص ۱۴

۶۔ انور سدید، ڈاکٹر، میر جعفر سے سکندر مرزا تک، (کالم بعنوان: گفتنی) مطبوعہ: روزنامہ نوائے وقت، لاہور ۲۳ ستمبر ۲۰۰۰ء ص ۱۳

۷۔ انور سدید، ڈاکٹر، مسلم لیگ کی تشکیل نو، (کالم بعنوان: قومی سیاست) مطبوعہ: ہفت روزہ فیملی میگزین لاہور، ۶ تا ۱۰ مارچ ۲۰۰۱ء، ص ۱۶

۸۔ انور سدید، ڈاکٹر مسلم لیگ کے عروج و زوال کی داستان، (کالم بعنوان: قومی سیاست) مطبوعہ: ہفت روز فیملی میگزین، لاہور، ۲۵ مارچ تا ۳۱ مارچ ۲۰۰۱ء، ص ۱۶

۹۔ انور سدید، ڈاکٹر، عدالت عظمیٰ کا فیصلہ، اثرات اور مضمرات، (کالم بعنوان: قومی سیاست) مطبوعہ: ہفت روزہ فیملی میگزین، لاہور ۲۲ تا ۲۸ اپریل ۲۰۰۱ء، ص ۱۶

۱۰۔ انور سدید، ڈاکٹر، کالا باغ ملک کے اندھیرے ختم کر سکتا ہے (کالم بعنوان: گفتنی) مطبوعہ: روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۲۵ جولائی ۲۰۱۰ء، ص ۱۴

۱۱۔ انور سدید، ڈاکٹر، کالا باغ ڈیم چھوٹے صوبوں کا مفاد زیادہ ہے۔ (کالم بعنوان: گفتنی) مطبوعہ: روزنامہ نوائے وقت لاہور، یکم اگست ۲۰۱۰ء، ص ۱۶

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۶

۱۳۔ انور سدید، ڈاکٹر پاکستانی سیاست میں خفیہ ایجنیوں کا کردار، (کالم بعنوان: قومی سیاست) مطبوعہ: ہفت روزہ فیملی میگزین، لاہور ۲۸ جنوری تا ۳ فروری ۲۰۰۱ء، ص ۱۶

۱۴۔ انور سدید،ڈاکٹر،امریکہ کی دوغلی پالیسی،(کالم بعنوان: قومی سیاست)مطبوعہ: ہفت روزہ فیملی میگزین،
لاہور،۱۸تا۲۴نومبر ۲۰۰۱ء،ص۱۶

۱۵۔ انور سدید،ڈاکٹر،طالبان کی پسپائی،(کالم بعنوان: قومی سیاست)مطبوعہ ہفت روزہ فیملی میگزین،لاہور،
۲۵ستمبرتایکم اکتوبر۲۰۰۱ء،ص۱۶

۱۶۔ انور سدید،ڈاکٹر،امریکی صدربش کا ہذیان،(کالم بعنوان: گفتنی)مطبوعہ: روزنامہ نوائے وقت لاہور،
۱۲۲کتوبر۲۰۰۵ء،ص۱۴

۱۷۔ انور سدید ڈاکٹر،پڑوسی ممالک کی چکی میں پسا ہواپاکستان،(کالم بعنوان: قومی سیاست) مطبوعہ: ہفت
روزہ فیملی میگزین،لاہور ۲تا۸دسمبر۲۰۰۱ء،ص۱۶۔

باب سوم

ڈاکٹر انور سدید کے کالموں میں ادبی موضوعات

الف۔ ڈاکٹر انور سدید کے عہد کا ادبی منظر نامہ

قیام پاکستان کے بعد کا سب سے بڑا واقعہ یا سب سے بڑا المیہ ہجرت ہے۔ قیام پاکستان کے بعد بڑی تعداد میں مسلمان ہندوستان چھوڑ کر پاکستان آئے تھے اور ہندو پاکستان چھوڑ کر ہندوستان چلے گئے تھے۔ نقل مکانی اور ہجرت کے اس عمل کے دوران بر صغیر کی تاریخ کے بد ترین فسادات ہوئے۔ چنانچہ تقسیم کے بعد ادب نے ان ہی فسادات کے ردِ عمل کے طور پر جنم لیا اور ان فسادات کے اثرات اُردو ادب پر غالب رہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں

> تقسیم کے بعد ادب نے فسادات کی آگ سے جنم حاصل کیا اور تخلیقات کے پھول کھلائے ۱۹۴۷ء کے فوراً بعد افسانوں اور شاعری میں اہم ترین موضوعات کچھ اس طرح سے تھے۔ فسادات، مذہب کے نام پر انسان پر انسان کا تشدد، انسان دوستی، بھائی چارے کے مظاہرے، نئی زمین میں بے جڑ، ہونے کا احساس، نئے وطن کے مسائل، انفرادی دکھ، اجتماعی کرب، بر صغیر کی تقسیم، اقدار کا ٹکراؤ، ہجرت سے جنم لینے والا اعصابی تناؤ اور جذباتی گھٹن، یتیم بچے اور مغویہ عورتیں یہ سب موضوعات چوتھی دہائی تک ہی محدود نہ رہے بلکہ آنے والی دو تین دہائیوں تک اہل قلم ان مسائل اور موضوعات پر خامہ فرسائی کرتے رہے۔ ۱

اُردو ادب نے نظم غزل اور افسانہ میں فوری رد عمل دکھایا اور ہجرت کے غم اور اس سے جڑے دیگر مسائل کو اپنا موضوع بنایا۔ قیام پاکستان کے بعد ناول میں بھی ہجرت کے موضوع پر ناول لکھے گئے یا کسی نہ کسی شکل میں اُن مسائل پر بات کی گئی ان ناولوں میں مشہور ناول قدرت اللہ شہاب کا ''یاخدا''، نسیم حجازی کا ''خاک وخون'' اور اے حمید کا '' ڈربے'' خدیجہ مستور نے ''آنگن'' لکھا انتظار حسین نے ''بستی'' لکھا اور عبد اللہ حسین کے ''اداس نسلیں'' اور ''نادار لوگ'' میں بھی ہجرت کی باز گشت ملتی ہے۔ پاکستان میں اُردو ادب کی تمام اصناف جن میں نظم، غزل، ناول اور افسانہ شامل ہیں سب پر آزادی کے فسادات کی گہری چھاپ ہے۔ اس خونریز ہجرت اور فسادات نے لکھنے والوں کو بے شمار موضوعات دیے بالخصوص افسانے میں اس کا فوری رد عمل سامنے آیا۔ افسانے میں ترقی پسندوں کے افسانے زیادہ تعداد میں شائع ہوئے۔

قیام پاکستان سے قبل برصغیر کی تقسیم کے وقت جو واقعات رونما ہوئے انہوں نے برصغیر کے افسانہ نگاروں، شاعروں اور دانشوروں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ان حادثات اور سانحات میں ہندو مسلم فسادات، عورتوں کا اغواد اور عصمت دری، معصوم بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کا بڑے پیمانے پر قتل۔ قیام پاکستان کے وقت ایک کروڑ لوگوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل مکانی کرنی پڑی اور مسلم لیگ اور کانگرس اس نقل مکانی میں ہونے والے فسادات کا بروقت اندازہ نہ لگا سکیں۔ ترقی پسند ادیبوں نے فسادات کرنے والے انتہا پسند ہندوؤں اور مسلمانوں کو معاف کر دیا اور فسادات کی اصل جڑ یا مجرم برطانوی سامراج کو قرار دیا۔ ترقی پسندوں نے اپنی بے نظیر غیر جانبداری اور بے مثال انسانیت پرستی پر فخر کرتے ہوئے اپنی تحریروں میں انسان دوستی کو پروان چڑھانے کی کوشش کی۔ ترقی پسندوں کا یہ موقف تھا کہ ہندو اور مسلمان میں نفاق کا بیج انگریز نے بویا ہے اور پاکستان کا بننا فساد کی جڑ ہے۔ اپنے اس نظریے کی وجہ سے انہوں نے اپنی تحریروں میں غیر جانبداری برتنے کی کوشش کی اور یہ باور کرواتے رہے کہ فسادات میں سکھ، مسلمان اور ہندو برابر کے شریک ہیں چنانچہ ترقی پسند اپنے افسانوں میں نفرت مٹ جانے کی اُمید دلاتے رہے۔

جب اُردو ادب پر ہجرت کے فسادات کا راج تھا عین اسی وقت محمد حسن عسکری نے یہ دعویٰ کر دیا کہ فسادات کے موضوع پر افسانہ لکھا ہی نہیں جا سکتا اور ہجرت کے موضوع پر لکھا جانے والا ادب سرے سے ادب ہی نہیں ہے۔ آزادی کے ابتدائی برسوں بلکہ دو دہائیوں تک ہجرت کا المیہ بڑی شدت سے اپنا اثر دکھاتا رہا چنانچہ اس دور میں لکھے جانے والے ناولوں، افسانوں اور شاعری میں مایوسی، خواب اور شکستِ ذات اور کھوئے ہوؤں کی جستجو پر مبنی رنگ پائے جاتے ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد کیمونسٹ پارٹی نے اعلان کر دیا کہ پاکستان اور ہندوستان کو ملنے والی آزادی جھوٹی ہے اور عوام کو حقیقی آزادی حاصل نہیں ہوئی ہے۔

قیام پاکستان کے ساتھ ہی پاکستانی قوم اپنے خدوخال درست کرنے لگی اور بحیثیت قوم اپنی شناخت کی تلاش شروع ہو گئی مگر پاکستان کے سیاسی عدم استحکام نے اس قوم کو اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہونے دیا۔ سیاسی عدم استحکام سے فائدہ اُٹھا کر ایوب خان نے ۱۹۵۸ء میں ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا اور تحریر و تقریر پر پابندیاں لگا دی گئیں۔ چنانچہ اس دور میں مزاحمتی ادب پیدا ہوا اور شاعروں اور ادیبوں نے بھرپور مزاحمت کی۔ ایوب خان نے پاکستان رائٹرز گلڈ قائم کی اور ادیبوں اور شعراء کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی۔

ایوب خان کے ابتدائی دور میں حبیب جالب، فیض احمد فیض اور کشور ناہید نے اپنی شاعری میں مارشل لاء کی مزاحمت کی اور مزاحمتی ادب کی بنیاد رکھی۔ فیض احمد فیض نے اپنی شاعری کے ذریعے مزاحمت بھی کی اور احتجاج بھی کیا۔ ۱۴اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کو آزادی تو مل گئی مگر یہ حقیقت بھی اپنی جگہ موجود ہے کہ آزادی کی خواہش تیسری دنیا کے ممالک کے لیے ایک خواب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی۔ تیسری دنیا کی ناخواندگی، جہالت، غربت، تعصبات، سیاسی کشمکش اور اس طرح کے بے شمار عوامل ہیں جن کی وجہ سے یہ قومیں آزادی کے بعد بھی جبر کی قوتوں کی غلام بن کر رہ جاتی ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد پاکستانی ادیب دو دھڑوں میں تقسیم ہو گئے ایک دھڑے کا نام ''ترقی پسند'' ہے اور دوسرے کا نام'' حلقہ ارباب ذوق'' کچھ ادیب ایسے تھے جو دونوں دھڑوں کا پانی پیتے رہے اور کچھ ایسے تھے جو کسی دھڑے میں شامل نہ ہوئے۔ ترقی پسندوں کا نعرہ یہ تھا کہ ادب کو انقلاب اور تبدیلی کے لیے لکھا جائے اور وہ ادب برائے زندگی کے قائل تھے جبکہ حلقہ ءارباب ذوق ادب برائے ادب کے قائل تھے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ترقی پسندوں نے اچھا اور معیاری ادب تخلیق کیا ہے مگر زیادہ تر ادیبوں نے نظریے اور انقلاب کی خواہش تلے اپنے ادب کو بوجھل کر کے رکھ دیا۔ ادیبوں کا ایک گروہ ایسا بھی تھا جو ترقی پسند ادب سے تو دلچسپی رکھتا تھا مگر ان کو ترقی پسند ادب کے محرک نظریہ سے کوئی دلچسپی نہ تھی ان ادیبوں نے اپنے لیے علیٰحدگی کی راہ پسند کی۔ انہوں نے پاکستانی ادب یا اسلامی ادب کا نعرہ بلند کیا اور ادب کو زبردستی مشرف بہ اسلام کرنے کی کوشش کی ۔ چنانچہ ان کے متعلق ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:'' پاکستانی ادب''، ''اُردو ادب'' کے بحرِ بے کراں سے کٹ کر محض ''ذرا سی آب جو'' میں محدود ہو جانے کے مترادف ہو گا''۔ ۲

پاکستانی ادب کی بحث جاری تھی کہ اسی دوران حسن عسکری نے ادب میں جمود کا نعرہ بلند کر دیا حسن عسکری کے اس دعوے پر کافی عرصہ بحث ہوتی رہی۔ حسن عسکری نے ادب میں جمود کا نعرہ لگانے کے پیچھے یہ حقیقت بیان کی کہ اب کوئی معیاری تخلیق منظر عام پر نہیں آ رہی لہذا ادب پر جمود طاری ہو چکا ہے۔

انیسویں صدی مشرقی معاشرے اور مغربی اقدار کے تصادم کی صدی ہے اس تصادم میں بالآخر مغربی روایات غالب آگئیں اور مغربی روایات مشرق کی معاشرتی اور سماجی زندگی میں اپنا اثر دکھانے لگیں چنانچہ ادب بھی ان اثرات سے محفوظ نہ رہا۔ اُردو ادب کا جائزہ لیا جائے تو بے شمار تحریکیں اور اصناف ایسی ہیں جو مغرب کے زیر اثر پروان چڑھی ہیں۔ ۱۹۶۰ء میں ایک طرف تو پاکستان پر جرنیلوں کی حکومت تھی اور دوسری طرف مغرب کے صنعتی انقلاب سے استفادہ کرنے کی کوشش میں پاکستان میں بھی صنعتی نظام متعارف ہو رہا تھا۔

۶۰ء کی دہائی ادبی منظر نامے پر بہت سی تبدیلیاں لے کر نمودار ہوئی اور اس دہائی میں ادب کی تمام اصناف ''جدیدیت'' کی تحریک سے متاثر ہوئی ہیں۔ جدیدیت کی تحریک کے زیر اثر شعراء نے اپنی شاعری کو روایت کی جکڑ بندیوں سے آزاد کرانے کی کوشش کی اور شاعری کا رشتہ زندگی سے جوڑنے کی کوشش کی گئی۔ جدیدیت کے زیر اثر نئے موضوعات اور نئی لفظیات تلاش کی گئی پرانے الفاظ کو متروک سمجھا گیا اور ان کی جگہ نئی لفظیات متعارف کرنے کا رجحان بڑھ گیا۔ ساٹھ کی دہائی میں جو نسل سامنے آئی اس نے خود کو اعلانیہ غیر نظریاتی کہا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ترقی پسند تحریک کی وجہ سے خارجی حقیقت نگاری کا جو رجحان پروان چڑھا تھا وہ داخل کی طرف مڑ گیا۔ کردار سائے بن کر بے نام ہوئے اور ٹھوس واقعات کی بجائے خیال اور آئیڈیا کہانی میں اہم ہوئے۔ شاعری میں بھی جو افسانے کے مقابلے میں داخلی احساسات کی زیادہ ترجمان ہوتی ہے۔ داخلیت پسندی گہری ہو کر نفسیاتی دوروں بنی اور دوسری ذات کی تلاش کی محرک ہوئی۔ نئی لسانی تشکیلات استعارہ سازی کا نیا تصور، علامت اور تجرید کی بحثیں موضوعات پر حاوی ہو گئیں۔

لاہور میں واقع پاک ٹی ہاوس ادیبوں کی بیٹھک کے طور پر جانا جاتا ہے لہذا اسی بیٹھک سے ہی ادیبوں کے درمیان ایک نئی بحث کا آغاز ہوا جس میں زبان کے مروجہ سانچوں سے بیزار ہو کر ماضی سے منہ موڑا گیا اور زبان کے نئے نئے سانچے اور نئے استعارے بنانے پر بات کی گئی ادیبوں کی اس کاوش کو ''نئی لسانی تشکیلات'' کا نام دیا گیا۔ پسماندہ ممالک میں ادیب کے ہاتھ کئی طریقوں سے بندھے ہوئے ہوتے ہیں اسے حکومت اور معاشرے دونوں کی طرف سے تنقید اور جبر کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔ معاشرے میں بے شمار قسم کے جبر موجود ہیں اور ہر جبر کے خلاف ادیب کا رویہ بھی مختلف ہوتا ہے۔ ایوب خان کے مارشل لاء کے دور میں بھی ادیبوں کو مارشل لاء کے جبر کا سامنا تھا۔ جب اظہار پر قدغن لگی اور ادیب کو معاشرے کی رو سے جدا کرنے کی کوشش کی گئی تو اس وقت ایک نئے ادب نے یا ایک نئے ادبی رجحان نے جنم لیا جسے ہم علامتی ادب کہتے ہیں۔

شاعروں اور ادیبوں نے کھلے لفظوں کو استعمال کرنے کا چلن ترک کر کے ابہام اور علامت کا سہارا لینا شروع کر دیا۔ تجریدیت اور علائم نگاری کے اس عمل کی وجہ سے قاری کا ادب سے فاصلہ بڑھتا گیا۔ مگر علامتی ادب لکھا جاتا رہا۔ قاری کی دلچسپی کو برقرار رکھنے کے لیے غیر ملکی ادب کے تراجم کا بھی ایک سلسلہ شروع ہوا۔ اور غیر ملکی ادب سے ایسے ادب کا انتخاب کیا گیا جو مزاحمتی اور احتجاجی تخلیقات پر مشتمل تھا۔ ایسے غیر ملکی ادیبوں اور شاعروں کی تحریروں سے انتخاب کیا گیا جو ان کے مختلف خطوں میں مزاحمت، ترقی پسندی، حریت فکر اور آزادی کی جدوجہد سے وابستہ تھے۔ چنانچہ ان میں پابلو نرودا، ناظم حکمت، فروغ فرخ زاد، محمود درویش، لورکا اور

کافکا وغیرہ کی تخیلقات کے تراجم کئے گئے اور حکومت کے خلاف غصہ ایسے تراجم سے نکالنے کی کوشش کے ساتھ عوام کو شعور دینے کی کوشش بھی کئی گئی۔

اگر پاکستانی ادب کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہمارا ادیب متوسط طبقے سے تعلق رکھتا ہے اسکی زندگی میں کئی طرح کے معاشی اور معاشرتی مسائل ہوتے ہیں۔ انہی مسائل کے دباو کی وجہ سے بہت کم اہل قلم ایسے ہوتے ہیں جو سامراج کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکتے ہیں زیادہ تر ادیبوں نے علامت اور استعارے کی چھتری تلے پناہ لی ہے۔ علامت اور استعارے کو اہل ادب کے علاوہ کوئی نہیں سمجھ سکتا چنانچہ علامتی ادب میں وہ جاندار روح نہیں ہوتی جو ظالم سامراج کو للکار سکے۔

عالمی ادب کے نام پر ہمارا ادیب ایک دائرے میں قید نظر آتا ہے اور اس کی آواز اس دائرے سے باہر نہیں نکل سکتی۔ جب تک وہ دائرے میں رہتا ہے تو مرکز کی گرفت میں رہتا ہے اور ہمارا مرکز ہمارا معاشرہ ہے۔ لسانی تشکیلات کی تحریک کے تحت الفاظ وتراکیب کے معروف راستوں کو ترک کر دیا گیا۔ اسی طرح گرامر اور نئی زبان وضع کرنے کی کوششیں کی گئیں علامتوں کے ذریعے تجریدی رجحانات کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ لسانی تشکیلات کی تحریک کے شعراء میں منیر نیازی، جیلانی کامران، افتخار جالب اور انیس ناگی کو اولیت حاصل ہے۔ ۱۹۷۰ء کی دہائی کے ادب کا جائزہ لیا جائے تو ۷۰ء کی دہائی پاکستان کے لیے سیاسی، معاشی اور جغرافیائی تبدیلیاں لے کر آئی۔ مشرقی پاکستان کا بنگلہ دیش کی صورت میں الگ ہونا، سیاسی توڑ پھوڑ، مارشل لاء کا نافذ ہونا اور ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی تمام واقعات جو اس دہائی کے ادب پر اثر انداز ہوئے۔

مشرقی پاکستان کے علیحدہ ہونے کے اسباب اور نتائج ایسے موضوعات ہیں جو اس دہائی کے ادب میں مختلف رنگ وروپ میں بکھرے ہوئے ہیں۔ پے در پے مارشل لاء کے نافذ ہونے سے ادب میں ایک مجموعی مزاحمتی رویہ بھی پروان چڑھتا ہوا نظر آتا ہے۔ سانحہ مشرقی پاکستان وہ المناک واقعہ ہے جس کے سب سے زیادہ اثرات ادب پر پڑے ہیں۔ ابرار احمد لکھتے ہیں۔

> ایوب خانی مارشل لاء نے یحیٰ خانی مارشل کو جنم دیا۔ ملک ایک اندھیرے سے دوسرے اندھیرے میں چلا گیا۔۔۔۔ مشرقی پاکستان ہم سے علیحدہ ہو گیا یہ سانحہ ہماری پوری قوم کے لیے اعصاب شکن ثابت ہوا اور اس کے اثرات ہمارے دانشوروں پر شدید تر ثابت ہوئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ناصر کاظمی مختار صدیقی، مجید امجد، یوسف ظفر اور باقی صدیقی اس صدمے کی تاب نہ لا سکے اور اس جہاں فانی سے کوچ کر گئے۔ ۳

۰ ۷ ء کی دہائی میں تحریر و تقریر پر بے جا پابندیوں کی وجہ سے علامت نگاری کا رجحان پروان چڑھا۔ مارشل لاء کے خوف سے علامت کے پردے سے بہت کچھ کہا جانے لگا۔ بعض ادیبوں نے اس دور کے نفسیاتی پہلوؤں کو بھی موضوع بنایا۔ ۰ ۷ ء کی دہائی کے ادب میں علامت نگاری کے ذریعے تجریدی انداز میں پوشیدہ کرداروں پر لکھا جانے لگا۔ یوں ادب میں ایک منفی رجحان پروان چڑھا۔ ۰ ۷ ء کی دہائی میں ادب کا رشتہ باطن سے ٹوٹ کر ایک بار پھر خارج سے جڑا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ۶۵ ء کی جنگ میں جو ملی اور قومی رجحان ادب میں پیدا ہوا تھا وہ سقوط ڈھاکہ کے ساتھ ہی ختم ہو گیا اور ادب پر نوحِ جمود کی سی کیفیت چھا گئی۔ ساٹھ اور ستر کی دہائیوں میں بعض نئی اصناف بھی سامنے آئیں جن میں انشائیہ نثری نظم اور ہائیکو شامل ہیں لیکن نئی نسل کی زیادہ تر توجہ نثر میں افسانے اور شاعری میں نظم اور غزل پر ہی مرکوز رہی ہے۔

ساٹھ اور ستر کی دہائیوں میں ادب میں جو نمایاں تبدیلی نظر آئی ہے وہ لسانی تشکیلات کے تحت قدیم فارسی مزاج کے بجائے اُردو کا پاکستانی مزاج وجود میں آیا۔ شاعری میں تراکیب سے گریز سے بچنے کی کوشش سے شاعری میں خاصی تبدیلی واقع ہوئی۔ نئے الفاظ کے استعمال سے زبان کو وسعت ملی اور افسانوی زبان میں بھی شعریت کا استعمال فروغ پانے لگا۔ افسانوں میں امیجز اور تمثیل کاری کا فروغ ہونے لگا۔

ستر کی دہائی میں ہائیکو اور نثری نظم کی روایت اردو ادب میں شروع کی گئی۔ نثری نظم فرانسیسی ادب سے اور ہائیکو جاپانی ادب سے مستعار لی گئی۔ ہائیکو کو ڈاکٹر سلیم اختر نے اپنی کتاب اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ میں شاعری کا جاپانی پھل قرار دیا ہے۔ لسانی تشکیلات کے خاتمے کے ساتھ ہی نثری نظم نے سر اُٹھایا اور اس کے فروغ کے لئے شاعرات نے اہم کردار ادا کیا۔ نثری نظم کے ابتدائی علمبرداروں میں فہمیدہ ریاض، کشور ناہید، شائستہ حبیب اور عذرا عباس شامل ہیں۔ ان کے علاوہ انیس ناگی، قمر جمیل، عبد الرشید، ساقی فاروقی وغیرہ کے نام بھی شامل ہیں۔

۸۰ ء کی دہائی میں پاکستان پر جنرل ضیاء الحق کی حکومت تھی۔ جنرل ضیا الحق کا مارشل لاء پاکستان کی تاریخ کا سب سے بدترین مارشل لاء تھا۔ جنرل ضیاء الحق نے ۱۹۷۷ء میں مارشل لاء نافذ کیا تھا۔ اس مارشل لا نے پوری قوم کو نفسیاتی کشمکش سے دوچار کر دیا تھا۔ مارشل لاء کے خلاف آواز بلند کرنے والوں کو ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ صحافیوں پر ظلم ڈھائے گئے اس مارشل لاء نے فرد کو شکست اور احساس ندامت کے سوا کچھ نہیں دیا۔ ۸۰ کی دہائی پاکستان کی تاریخ میں انقلابات لے کر آئی اور ادب میں نئے رجحانات سامنے آئے۔ ادب میں جو رجحان سب سے

غالب رہاوہ ''مزاحمت'' کا رجحان ہے۔ جنرل جنا کے خلاف مزاحمت کے رویے نے جنم لیا۔ مارشل لاء کے نفاذ سے معاشرے میں ظلم وجبر کی فضاء طاری تھی چنانچہ اسی دوران مزاحمت کا رویہ کھل کر سامنے آیا۔

۱۹۷۷ء کے مارشل لاء سے خوف ودہشت کی ایسی فضا قائم ہو گئی تھی کہ پوری قوم کو نفسیاتی الجھن کا شکار کر دیا گیا تھا۔ اس دور میں ادب میں ایک بار پھر نئی علامات کا سہارا لیا جانے لگا۔ چنانچہ شعراء اور ادیبوں نے علامت کی آڑ میں اپنا مقصد بیان کرنے کی کوشش کی۔ اس دور میں جو علامتیں زیادہ استعمال ہونے لگیں ان میں قاتل، قتل، حسین، یزید، کربلا دار رسن، کوفہ، نیزے پر سر وغیرہ شامل ہیں ان روایتوں میں سے بعض آگے چل کر اُردو غزل کی روایت کا حصہ بن گئیں۔ علامت کا استعمال ادب میں رد عمل کے طور پر ہوتا ہے۔

جس وقت ۱۹۷۷ء کا مارشل لاء لگایا گیا اس وقت اُردو افسانہ ارتقاء کی منازل طے کر رہا تھا اور نت نئ تبدیلیاں ہو رہی تھیں۔ اس دور کے مزاحمتی رویے نے افسانے کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ۸۰ء کی دہائی میں علامت نگاروں نے سیاسی حالات کی عکاسی اور معاشرتی گھٹن اور ظلم وجبر کے خلاف آواز بلند کی اور آمریت کو علامت نگاری سے نشانہ بنایا گیا۔ شہزاد منظر لکھتے ہیں۔

> علائم نگاری ایک ایسا اسلوب ہے جس میں بعض ایسی باتیں کہی جا سکتی ہیں۔ جنھیں بیانیہ یا وضاحتی انداز میں کہنا آسان نہیں علامتی اسلوب میں سیاسی جبر کے بارے میں اظہار کے زبردست امکانات پوشیدہ ہوتے ہیں اس کا اندازہ ضیاء الحق کے گیارہ سالہ دور آمریت میں اس وقت ہوا جب علامت نگاروں نے سیاسی گھٹن اور بے چینی، مذہبی دقیانوسیت، ظلمت پسندی اور جبریت کے خلاف مزاحمتی ادب تخلیق کیا۔ ۴

''گواہی'' مزاحمتی ادب کا پہلا مجموعہ تھا جسکے منظر نامے پر آتے ہی مزاحمتی ادب کا طوفان برپا ہو گیا اور پاکستان کے شاعروں اور ادیبوں نے بدترین تشدد اور خوف اور بے بسی کے خلاف آواز بلند کرنا شروع کی۔ ۸۰ء کی دہائی کے افسانہ نگاروں نے علامت نگاری کا خوب سہارا لیا اس دور کا افسانہ بھی ''علامتی افسانہ'' کہلایا جانے لگا۔ ۸۰ء کی دہائی جب ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دی گئی تو اس واقعہ نے ادیبوں کو مجبور کر دیا کہ وہ کھل کر اپنے ردِ عمل کا اظہار کریں اور مزاحمتی ادب میں ایک نئی سوچ اور فکر سامنے آئی اور بہت سارے ادیب نے اپنی تحریروں سے اس دور سیاہ سے پاکستانی قوم کو متعارف کروایا اور شعور دیا۔ مزاحمت کا رویہ اُردو شاعری میں بھی کافی مضبوط دکھائی دیتا ہے اس زمانے کے بیشتر مجموعوں میں اسی موضوع کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ اس عہد میں چھپنے والا شعری مجموعہ '' خوشبو کی شہادت'' ہے۔ اس مجموعے میں بھٹو کی پھانسی کے خلاف مزاحمت کی

گئی ہے۔ بھٹو کی پھانسی مزاحمتی ادب کے لیے ایک اہم موڑ ثابت ہوئی اور جو باتیں علامت کے سہارے کی جاتی تھیں اب ان باتوں کا ذکر واضح انداز میں ہونے لگا اور مزاحمت صحیح معنوں میں مزاحمت نظر آنے لگی۔

۸۰ء کی دہائی کے ادب کا جائزہ لیں تو شاعری میں بھی کرب و غم نظر آتا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مایوسی، خوف اور تشویش کا ہی راج ہے۔ اس دور کی شاعری میں ظلم کے خلاف شدید غصے اور نفرت کا اظہار ملتا ہے۔ ضیاء الحق کے دور میں عوام کے ساتھ جو کھیل کھیلے گئے وہ اس دور کی تحریروں میں محفوظ ہیں۔ اس دور کا ادب ضیاء الحق کے دعوؤں کی قلعی کھولنے کے لیے کافی ہے۔ ۸۰ء کی دہائی ایک اور اہم واقعہ افغان جہاد ہے جس سے پاکستانی معاشرے اور سماجی اقدار پر واضح اثر پڑا ہے۔ جنرل ضیاء الحق نے امریکہ کے کہنے پر افغانستان میں روس کے خلاف جہاد شروع کیا۔ اس جہاد کے نتیجے میں کلاشنکوف کلچر، چرس، ہیروئن اور غنڈہ گردی جیسی لعنتیں ہمارے مقدر میں آئیں اور معاشرے کو انتہا پسندی اور انسانیت دشمنی کی طرف دھکیلا گیا۔ ۹۰ء کی دہائی میں پاکستان میں جمہوریت بحال کر دی گئی۔ جمہوریت کے اس دور میں بھی اقتدار کی خاطر بلی چوہے کا کھیل جاری رہا۔ سیاستدان جرنیلوں کے ہاتھوں ایک دوسرے کے خلاف استعمال ہوتے رہے اور خفیہ ایجنسیاں سرعام سیاستدانوں کو خریدتی رہی ہیں۔ چنانچہ ان حالات میں عوام کا اعتماد جمہوریت سے اُٹھ گیا اور عوام میں شدید مایوسی پھیل گئی۔

جنرل پرویز مشرف کے مارشل لاء کے بعد بھی ادب میں نمایاں رجحان مزاحمت کا ہی نظر آتا ہے۔ مگر یہ رجحان اتنا شدید نہیں تھا جتنا ضیاء الحق کے دور میں تھا۔ جنرل پرویز مشرف کے مارشل لاء نے بظاہر اتنا تشدد نہیں پھیلایا تھا جتنا ضیاء الحق کے مارشل لاء سے پھیلا تھا۔ مگر مارشل لاء کے اثرات معاشرے میں سرایت کر گئے اور ایک خوف اور بے سمتی کی فضا پروان چڑھنے لگی اور ادیب ایک بار پھر اپنے باطن سے جھانکنے لگے۔ اس دور میں چونکہ پاکستان کو ۵۰ سال پورے ہو گئے چنانچہ اس دور میں پاکستانی ادب کی شناخت کا مسئلہ پیدا ہوا۔ پاکستانی اُردو کو ہندوستانی اردو سے مختلف کرنے کے لیے پاکستان میں تخلیق کئے گئے ادب کو پاکستانی ادب کا نام دیا گیا چونکہ بہت سارے دانشوروں کا خیال تھا کہ پاکستانی اُردو کی ایک منفرد شناخت ہے چنانچہ اس شناخت کی وجہ سے گزشتہ ۵۰ سالوں میں تخلیق کئے گئے ادب کو پاکستانی ادب کہنا چاہیے۔

۹۰ء کی دہائی میں معاشرتی حوالوں کو بھی ادب کا موضوع بنایا گیا جن میں خصوصاً کراچی کے حالات کا بیان سب سے اہم ہے۔ کراچی کے بگڑے حالات کو بارہا موضوع بنایا گیا۔ ان حالات کے ساتھ ساتھ دہشت گردی کے مسئلے کو اُجاگر کیا گیا۔ پاکستانی معاشرہ سیاست دانوں اور آمروں کے غیر سنجیدہ رویوں کی وجہ سے تباہی

کا شکار رہا ہے۔ ۹۰ء کی دہائی میں مجموعی طور پر ادب کی فضاء پر عصری زندگی کے اجتماعی اور انفرادی مسائل کی باز گشت سنائی دیتی ہے۔ ۲۰۰۰ء کے بعد پاکستانی ادب اکیسویں صدی میں داخل ہوا۔ جب پاکستانی ادب اکیسویں صدی میں داخل ہوا تو اس وقت بھی پاکستان مارشل لاء کی زد میں تھا چنانچہ ادب کی صورت حال ۹۰ء کی دہائی کا تسلسل رہی اور مزاحمت کی دھیمی سی آواز اس دور میں بھی سنائی دیتی رہی۔

۲۰۰۰ء کے بعد سب سے بڑی تبدیلی یہ ہوئی کہ ٹیکنالوجی کی وجہ سے فاصلے سمٹ گئے اور ملک میں بہت سارے اخبارات اور ٹی وی چینلز منظر عام پر آگئے اس دور میں ادب اور خبر میں کوئی فرق نہیں رہا۔ انٹرنیٹ کے ذریعے علم اور خبر کے بڑے بڑے ذرائع تک پہنچنا آسان ہو گیا۔ علم اور خبر کی زیادتی نے اصل بات کو چھپا دیا۔ جتنی زیادہ خبریں پھیلی اتنی ہی بے خبری عام ہو گئی۔ اسی دوران زرد صحافت کا زور ہوا اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کی کوششیں ہوئی۔ چنانچہ اس ذہنی کشمکش میں ادب کہیں نظر نہیں آتا اور لوگ ادب اور کتاب سے دور ہونے لگے۔ ادب اور کتاب سے رشتہ ٹوٹ کر ٹاک شوز سے جڑ گیا۔ چنانچہ اس دور میں انسان کے محسوسات میں ہونے والی تبدیلیوں کو موضوع بنایا گیا اور ان کا نفسیاتی تجزیہ بھی پیش کیا گیا۔

اکیسویں صدی کے ساتھ ہی انسان کی نفسیاتی الجھنوں میں اضافہ ہوا ہے۔ انسان کئی طرح کے جسمانی، روحانی معاشی اور معاشرتی مسائل کا شکار ہو چکا ہے۔ ٹیکنالوجی نے انسان کو انسان سے دور کر دیا ہے۔ سوچوں اور دماغوں پر بھی قبضہ ہو چکا ہے۔ چنانچہ ان حالات میں سوچنا اور حالات کا درست تجزیہ پیش کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر ہونے والے حملوں نے دنیا کے سارے معیار اور ضابطے تبدیل کر دیئے ہیں۔ پاکستانیوں کی پر اسرار گمشدگی نے معاشرے میں ایک خوف اور ڈر پیدا کر دیا ہے۔

پاکستان میں بڑھتی ہوئی دہشت گردی نے پاکستانی افراد کو اندر سے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے مساجد اور مذہبی عبادت گاہیں بھی محفوظ نہیں ہیں۔ ہر فرد کو اپنی شناخت کا مسئلہ درپیش ہے ملک پاکستان ایک بھر پھر امریکی جنگ لڑنے کے نقصانات سمیٹ رہا ہے۔ ایک فکری بے سمتی پھیل چکی ہے کھرے اور کھوٹے میں تمیز کرنا مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ چنانچہ ۲۰۰۰ء کے بعد کے ادب میں انسان کی ذاتی اور انفرادی احساسات کا اظہار ملتا ہے۔ اس دور میں کئی ادیبوں اور شاعروں نے مزاح نگاری میں پناہ ڈھونڈی ہوئی ہے۔ معاشی و معاشرتی اور سیاسی مسائل پر بہت ہی جاندار قسم کا مزاحیہ ادب بھی تخلیق ہوا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کو جواز بنا کر اُردو کے

رسم الخط پر بھی حملہ ہو چکا ہے اور موبائل اور انٹرنیٹ پر بھی اُردو لکھی جارہی ہے۔ چنانچہ اُردو زبان اور ادب متاثر ہوا ہے۔ اس کے علاوہ ادب کا مجموعہ اور قومی تاثر غائب ہو گیا ہے۔ کوئی بھی واقعہ رونما ہو تو فوراً ادب میں آ جاتا ہے۔ اس رجحان کی وجہ سے ادب میں اخبار والی خصوصیات پیدا ہو گئی ہیں۔

ب۔ ادبی اصناف، کتب اور رسائل

ڈاکٹر انور سدید کی کالم نگاری کا جائزہ لیا جائے تو ان کی ادبی کالم نگاری میں بے شمار ایسے کالم مل جاتے ہیں جن میں وہ مختلف ادبی اصناف، کتب اور رسائل کو اپنا موضوع بناتے ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید نے اپنے عہد میں شائع ہونے والی ادبی کتب اور ادبی رسائل پر دل کھول کر لکھا ہے۔ ان کا کالم ''ادب در ادب'' جو ''ندائے ملت'' لاہور میں شائع ہوتا تھا۔ ادبی کالم نگاری کے لیے مخصوص تھا۔ چنانچہ ان کی ادبی کالم نگاری سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جب بھی کوئی نئی تصنیف منظر عام پر آتی انور سدید نے اس پر کالم لکھنا اپنا بنیادی فرض سمجھ رکھا تھا۔ اس دور میں شائع ہونے والی مختلف کتابوں اور رسالوں پر ان کے تنقیدی تبصرے سے اس تصنیف کا نہ صرف تعارف ہو جاتا تھا بلکہ ادب میں اس کے مقام کا تعین بھی ہو جاتا تھا۔ ڈاکٹر انور سدید کی کالم نگاری کے جائزے سے کبھی کبھی یوں لگتا ہے کہ قارئین کو آمادہ کر رہے ہیں کہ وہ ان کتب کا مطالعہ کریں۔ ڈاکٹر انور سدید نے ۲۰۰۴ءسے ''ندائے ملت'' میں ادبی کالم ''ادب در ادب'' لکھنا شروع کیا۔ اگر ۲۰۰۴ءسے لے کر ۲۰۱۵ء تک ان کے موضوعات کا جائزہ لیا جائے جو ''ادب در ادب'' کے عنوان کے تحت ہفت روزہ ''ندائے ملت'' میں شائع ہوتے رہے ہیں تو ان کی ایک طویل فہرست بن جاتی ہے جن میں انہوں نے ادبی اصناف، کتب اور رسائل کو موضوع بنایا ہے۔

ڈاکٹر انور سدید کی کالم نگاری کے جائزے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ کسی بھی نئی ادبی کتاب پر کالم لکھنا اپنا فرض سمجھتے تھے اور شاید ہی کوئی کتاب ایسی ہو جو ان کے قلم سے بچ کر نکلی ہو۔ مختلف کتابوں پر ان کا تبصرہ بڑے استقلال سے جاری رہا۔ اگر ان تبصروں اور کالموں کو اکٹھا کیا جائے تو ایک نئی کتاب منظر عام پر آسکتی ہے۔ اس ضمن میں ایک کتاب ''کچھ وقت کتابوں کے ساتھ'' منظر عام پر آچکی ہے۔ ڈاکٹر انور سدید اپنے زور مطالعہ کی وجہ سے ادب میں ہونے والی معمولی سی معمولی تبدیلی کو محسوس کر لیتے تھے۔ کسی بھی نئی کتاب پر ان کا کالم سند کی حیثیت رکھتا تھا۔ ان کے کالم قاری کو اصل کتاب پڑھنے کی دعوت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید کسی بھی کتاب پر تبصرہ یا کالم لکھنے سے پہلے زیر نظر کتاب کو شوق سے پڑھتے تھے اور مصنف کے

ساتھ یگانگت اور دوستی کا احساس پیدا کر لیتے ہیں اور یہ احساس ان کے کالموں میں نظر آتا ہے۔ بے پناہ علمی اور ادبی مطالعے نے ڈاکٹر انور سدید کو اپنے عہد کے چھوٹے بڑے شعرا اور ادباء سے متعارف کروار کھا تھا۔ اکثر وہ اپنے کالموں میں اس تعلق کا اظہار بھی کرتے ہیں جو ذاتی یا قلمی نوعیت کا ہوتا ہے اور اس کے بعد تبصرہ لکھتے ہیں۔ اس طرح وہ فضا اور ماحول کو دوستانہ بنا دیتے ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید کتاب کی خوبیوں کا ذکر کھلے بندوں کرتے ہیں اور اگر اختلاف کا پہلو نکلتا ہو تو وہاں نہایت شائستہ الفاظ میں اس کا اظہار کرتے ہیں یہ انور سدید کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ ادبی کتب پر مبنی کالموں کے موضوعات میں سے چیدہ چیدہ ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔ خود نوشتوں کی کہانی، شیر زمان (جہادِ کشمیر سے تعلق)، جامعات میں اُردو تحقیق، شام کی منڈیر سے، پاکستانی ادب ۲۰۰۸ء، پت جھڑ کی لکیریں، جدا منزل جدا راہیں، تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاک و ہند، تاریخ ادب اُردو (پروفیسر وہاب اشرفی)، حاصل عمر گریزاں، چانکیہ کی کتاب ارتھ شاستر اور ''ایک بھاشا دو لکھاوٹ، وغیرہ ان تمام کالموں کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ڈاکٹر انور سدید کوئی پگڑی اچھال تنقید نہیں کرتے تھے وہ اختلاف بھی شائستگی کے ساتھ کرتے تھے۔ ان کا قلم کبھی جذباتی نہیں ہوتا۔

ڈاکٹر انور سدید ''تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وہند'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> اردو ادب کے عام قاری کے لئے یہ بات دلچسپی کا باعث ہو گی کہ اُردو ادب کی پہلی تاریخ ۱۸۳۹ء میں فرانس کے مستشرق گارساں دتاسی نے اپنی ذاتی کوششوں سے لکھی تھی اور اسے ''تاریخ ادب ہندوستان'' کا نام دیا گیا۔ تاہم تاریخ نویسی کے ابتدائی نقوش اٹھارہویں صدی کے تذکروں میں نمایاں ہونے شروع ہو گئے تھے۔۔۔۔۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ اُن فکری عوامل اور شعائر زندگی کی نشاندہی کی جائے جس سے برصغیر کے مسلمانوں کی ثقافتی زندگی اور معاشرتی اقدار کی تعمیر ہوئی ہے۔ ۵

ڈاکٹر انور سدید مختلف شعراء اور ادباء کی آپ بیتیوں اور خود نوشتوں کو بھی اپنی کالم نگاری کا موضوع بناتے ہیں۔ خود نوشتوں پر قائم کیے گئے اہم موضوعات میں سے انیس ناگی کی آپ بیتی ''ایک ادھوری سرگزشت'' محمد اکرام کی آپ بیتی ''قید باغستان'' وزیر آغا کی آپ بیتی ''شام کی منڈیر سے'' اور پروفیسر حسن عسکری کاظمی کی آپ بیتی ''حاصل عمر گریزاں'' شامل ہیں۔ ڈاکٹر انیس ناگی کی خود نوشت کے بارے میں ڈاکٹر انور سدید اپنے کالم بعنوان ''ایک ادھوری سرگزشت'' میں لکھتے ہیں۔

> ڈاکٹر انیس ناگی کا شمار ان ادیبوں میں ہوتا ہے جن کا مطالعہ وسیع ہے اور جو نئی عالمی تحریکوں اور ادب کی تازہ بہ تازہ لہروں سے باخبر رہتے ہیں۔ان کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ معاصر ادب کو عالمی پیمانوں پر پرکھتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ڈاکٹر انیس ناگی کی خود نوشت ''ایک ادھوری سر گزشت'' بھی ایک ایسی ہی کتاب ہے جس میں وہ سچ لکھا گیا ہے جو حقیقت میں ''سچ'' ہے۔٦

ڈاکٹر انور سدید نے اپنے ایک کالم میں محمد اکرام صدیقی کی آپ بیتی ''قید باغستان'' پر ایسا تبصرہ کیا ہے کہ بے اختیار جی چاہتا ہے کہ ابھی کتاب خرید کر پڑھ لوں۔ڈاکٹر انور سدید اس کتاب کو ایک انوکھی سر گزشت قرار دیتے ہیں۔قید باغستان کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> قید باغستان ''جس کا زمانی دورانیہ صرف ۴۵ دن کا ہے۔اُردو کی ایک ایسی سر گزشت ہے جو اپنی پہلی اشاعت (۱۹۱۰ء) سے لے کر آج تک (جب سے اس کا چھٹا ایڈیشن شائع ہوا) بڑی دلچسپی سے پڑھی جاری ہے اور جس کسی نے بھی اس کتاب کو مطالعہ کیا ہے اُسے ایک انوکھی آپ بیتی قرار دیا ہے۔میں نے یہ کتاب پہلی بار ۱۹۴۴ء میں پڑھی تھی جب میں دسویں جماعت کا طالب علم تھا۔اب میں اپنی زندگی کی آٹھ دہائیاں پوری کر چکا ہوں اور اپنے تاثرات سمیٹتے ہوئے کہہ سکتا ہوں کہ اس کتاب کے دہشت ناک واقعات اور حیرت انگیز حالات نے دل میں خوف و خطر بھی پیدا کیا، لیکن مصنف محمد اکرام کے عزم و حوصلہ نے۔۔۔۔خدائی امداد کے ذکر اور دعائیہ انداز نے اس کتاب کو اور بھی سحر انگیز بنادیا ہے۔٧

ڈاکٹر وزیر آغا کی خود نوشت ''شام کی منڈیر سے'' کو ایک فکری خود نوشت قرار دیتے ہوئے انور سدید لکھتے ہیں۔

> یہ آپ بیتی دسمبر ۱۹۸٦ء میں اشاعت کے بعد پڑھی تو اسے اُردو ادب کی ایک منفرد خود نوشت سمجھا۔جس کا تمام مواد مصنف نے اپنی شعری تخلیقات سے بازیافت کیا تھا۔ باالفاظ دیگر شام کی منڈیر سے وزیر آغا کی متعدد نظموں کی تخلیق مکرر قرار دی جاسکتی ہے تو یہ اعتراف کرنا بھی مناسب ہے کہ وزیر آغا ایک طویل نثری نظم دوسروں کو نہیں سنا رہے بلکہ وہ خود اس کے سامع ہیں۔لیکن جب کتاب چھپ گئی تو اہل نظر نے تسلیم کیا کہ آغا صاحب نے انھیں اپنی خلوت میں جھانکنے کی اجازت دے دی ہے اور ہم اسکو ایسی

سوانح عمری قرار دے سکتے ہیں جس میں شخصیت میں جھانکنے کی بجائے افکار کی نشوونما اور نظریات کے ارتقاء کو فوقیت دی گئی ہے۔۸

ڈاکٹر انور سدید کے ادبی موضوعات پڑھنے والے کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔ان کے کالموں میں بے حد متاثر کن ادبی معلومات اور واقعات قاری کی ادبی پیاس بجھاتے ہیں۔اُن کی تحریر میں روانی، مروجہ زبان پر ان کی گرفت اور سادگی ان کے کالموں کو منفرد بنا دیتی ہے۔

ڈاکٹر انور سدید کے ادبی موضوعات کتب بینی کا ماحول پیدا کر دیتے ہیں اور ادبی ماحول کو تقویت ملتی ہے۔ان کی ادبی کالم نگاری ادبی کتابوں اور رسائل کی گردان ہے جو قاری کے حافظے پر بہت کچھ نقش کر جاتی ہے اور مختلف ادبی کتابوں پر کی گئی فکری بحث قاری کی فکری اور تجزیاتی صلاحیتوں کو بڑھاتی ہے۔

ڈاکٹر انور سدید کتابوں پر تبصرہ کرتے ہوئے مزاح کی لطیف سی چاشنی بھی تحریر میں شامل کر دیتے ہیں اور نہایت گہری بات ہلکے پھلکے انداز میں کہہ جاتے ہیں اور کہیں ان کے کالموں میں ایک ادبی نقاد کی ہلکی سی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے۔ان کی ادبی کالم نگاری کے موضوعات کے جائزے سے پتہ چلتا ہے کہ انور سدید صرف اور صرف ادب کا بندہ ہے اور ادب ہی اُن کا اوڑھنا اور بچھونا ہے۔ڈاکٹر انور سدید نے اپنی ادبی کالم نگاری کے ذریعے شعراء اور ادباء کے خیالات اور افکار قارئین تک پہنچائے ہیں۔ڈاکٹر انور سدید کے کالم ادب کے قاری اور اُردو ادب کے درمیان وسیلہ اور رابطہ ہیں۔یہ کالم ایک ایسے پل کا کام کرتے ہیں، جس پر چل کر قاری ادب کے ایک وسیع جہاں میں پہنچ جاتا ہے۔ڈاکٹر انور سدید کی ادبی کالم نگاری میں ادبی کتب و رسائل پر مبنی موضوعات شامل ہیں جس میں آپ بیتی ، افسانہ ، ناول، نظم ، غزل ، کلیات، انشائیہ ،تاریخ اور مکتوب نگاری ہر صنف ادب کی کتاب پر تبصرہ مل جاتا ہے۔

ڈاکٹر انور سدید جب کسی کتاب کو اپنے کالم کا موضوع بناتے ہیں تو وہ ایک مضبوط ادبی گرفت میں آجاتی ہے مگر وہ مصنف کی پگڑی نہیں اچھالتے بلکہ قاری کو ایک خوشگوار ترغیب سے پڑھنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید کے ادبی موضوعاب ادبی کتب اور جرائد تک محدود نہیں۔ انہوں نے سائنس ٹیکنالوجی، معاشیات، سیاسیات اور مذہبی کتب پر بھی کالم لکھے ہیں۔ان کے کالموں کے موضوعات ان کی وسعت مطالعہ کا پتہ دیتے ہیں۔ادب کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جو ان کی تخلیقی صلاحیت سے محروم ہو لہذا شاعری، افسانہ، سفر نامہ، سوانح، انشائیہ اور فکاہی ادب کے شعبہ سے متعلق کتب پر ان کی رائے ایک ماہر فن کی رائے کا درجہ رکھتی ہے۔

ڈاکٹر انور سدید ایک ہی کالم میں مصنف کی شخصیت سے لے کر کتاب کے فکری اور فنی محاسن کا احاطہ کر لیتے ہیں۔ یوں قاری کو کسی بھی کتاب کا جوہر مل جاتا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید کے کالموں سے ان کی عالمانہ شان جھلکتی ہوئی نظر آتی ہے اور اُن کے کالموں کی وجہ سے کئی ادیبوں کی ادبی شہرت میں اضاطہ ہوا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید کی کالم نگاری صحافتی ادب کا سب سے بڑا خزانہ قرار دی جاسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کہ ۱۹۸۹ء میں ڈاکٹر انور سدید نے حکومت پاکستان کی طرف سے بہترین کالم نگاری کا ایوارڈ حاصل کیا ہے۔

ادب کے فروغ کے لیے کتابوں کو جتنی اہمیت دی جائے کم ہے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ ادب کے تخلیقی ذوق و شوق کی پرورش میں ادبی رسائل نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ کتاب کا دائرہ اثر زمانی اور مکانی لحاظ سے وسیع ہوتا ہے مگر ادبی رسائل ایک ایسا پلیٹ فارم ہیں جس پر نئے لکھنے والوں کو اپنی تحریر کے جوہر دکھانے کا موقع ملتا ہے اور پھر ان ہی لکھنے والوں میں سے بڑے بڑے ادیب پیدا ہوتے ہیں گویا ادبی رسائل ایک قسم کی ابتدائی تربیت گاہیں ہیں جو نئے لکھنے والوں کو عوام سے روشناس کرواتی ہیں اور ان کو ان کی اہلیت کا پتہ بھی چلتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر انور سدید نے ملک کے طول و عرض میں شائع ہونے والے تمام ادبی رسائل کو اپنے کالموں کا موضوع بنایا ہے اور ان پر تبصرہ کر کے عوام کے وسیع حلقے تک پہنچانے میں معاون ثابت ہوئے ہیں۔ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ انور سدید کے کالم ایک ایسا ادبی سنگم ہیں جہاں نئے اور پرانے ادیبوں اور کتب کے ساتھ ساتھ مختلف ادبی رسائل سے بھی تعارف ہوتا ہے۔

ڈاکٹر انور سدید کے کالموں کو پڑھ کر قاری ایک وسیع جہان علم میں داخل ہوتا ہے اور اسکو مختلف کتب اور رسائل اور اشخاص سے تعارف ہوتا ہے۔ انہوں نے سینکڑوں کے حساب سے کتابوں پر کالم اور تبصرے لکھے ہیں اور ان کتابوں کے جوہر کو سامنے لائے ہیں اور کبھی بھی غیر جانبداری کے پہلو کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ ادبی کتب کے علاوہ بے شمار ادبی رسائل پر انہوں نے اپنے تبصرے اور کالم لکھے ہیں" ندائے ملت " میں "ادب در ادب " کے عنوان کے تحت وہ مختلف رسائل کا تعارف پیش کرتے ہیں۔ اکثر "نئے ادبی رسائل کی محفل " کے عنوان سے وہ منظر عام پر آنے والے مختلف ادبی رسائل کا تعارف پیش کرتے ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید نے "ندائے ملت " کے ذریعے مختلف رسائل پر تعارفی کالم لکھے ہیں۔ اس ضمن میں ان کے قائم کیے گئے موضوعات مندرجہ ذیل ہیں۔

"رسالہ "تجدید نو " پر ایک سرسری نظر، سہ ماہی "مژگاں " کولکتہ کا "نئی نصل نیا ادب نمبر " اُردو ادب کے دو کتابی سلسلے، سہ ماہی اسالیب، پاکستانی ادب، ادب معلیٰ، سہ ماہی قرطاس، سالنامہ شعر و حکمت، ماہنامہ

الحمرا، قرطاس، روشنائی، سخن زار، سہ ماہی، آئندہ، سہ ماہی الاقربا اسلام آباد، چھوٹے شہر کا بڑا ادبی رسالہ ''قرض'' دہلی سے ادب کا نیا ارمغان، ''الزبیر'' بہاولپور کا ادبی نخلستان، سہ ماہی ''تشبیہ'' خوشاب سہ ماہی ''انشاء'' حیدر آباد، ماہنامہ '' ماورا'' لاہور چار ماہی ''دینار'' کراچی، سہ ماہی ''وصال'' سرگودھا، ماہنامہ ''دستک'' مری مزاح پلیس کراچی، ماہنامہ ''ماہ نور'' کراچی، ماہنامہ ''دستک مری''مزاح پلس کراچی، ماہنامہ ''ماہ نور'' کراچی، ماہنامہ ''سپوتنک'' لاہور، اسطرح کے بے شمار رسائل اور شمارے ہیں جن کو انور سدید نے'' ندائے ملت'' کی وساطت سے قارئین کے لئے متعارف کروایا۔ کسی بھی کتاب یا رسالے کے بارے میں وہی شخص رائے دے سکتا ہے جس کا علم وسیع ہو، دل و دماغ تعصب سے پاک ہو اور لکھنے پر مکمل دسترس رکھتا ہو۔ ڈاکٹر انور سدید ان تینوں شرائط پر پورے اترتے ہیں کیونکہ وہ بسیار نویس بھی ہیں، وسیع المطالعہ بھی ہیں اور تحریر میں سلاست اور روانی کے ساتھ حلاوٹ بھی شامل کر سکتے ہیں۔ ان کی انہی خوبیوں کی وجہ سے قارئین کو پڑھنے کی خوشگوار ترغیب ملتی ہے۔

ڈاکٹر انور سدید بہاولپور سے شائع ہونے والے ایک ادبی جریدے ''الزبیر'' کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> شہاب دہلوی صاحب کا موقف یہ تھا کہ اہل ادب کو تحقیق و تنقید کے لئے اتنا مواد فراہم کر دیا جائے کہ انہیں زیر بحث موضوع کی تازہ کاری کے لئے لائبریریوں میں نہ بھٹکنا پڑے۔ چنانچہ ان کی اعلیٰ خدمات کا ذکر آئے تو ''الزبیر'' کے ''چولستان نمبر''، ''ادبی معرکے نمبر''، ''کتب خانہ نمبر''، ''غیر ملکی افسانہ نمبر''، ''تنقید نمبر'' اور ''بہاولپور نمبر'' یاد آتے ہیں کہ ان میں ادب کے صدہا نوادر محفوظ ہیں۔ مجھے جب بھی ان موضوعات پر کام کرنے کی ضرورت پڑتی ہے تو بہت سا مواد ان رسائل سے مل جاتا ہے۔۹

ادبی رسائل کے متعلق بات کرتے ہوئے ڈاکٹر انور سدید اپنے ایک کالم ''زندہ ادب کا نمائندہ رسالہ ''قرطاس'' میں ادبی رسالہ ''قرطاس'' کے متعلق لکھتے ہیں۔

> گوجرنوالہ کے سہ ماہی ادبی رسالہ قرطاس کی یہ خوبی تسلیم کی جاچکی ہے کہ اس کا ہر شمارہ خاص شمارہ ہوتا ہے اور اس میں ہر طبقہ خیال کے قاری کو اپنے ذوق کے مطابق مطالعے کا وافر ادبی مواد مل جاتا ہے۔۱۰

ڈاکٹر انور سدید اپنے ایک کالم دونئے ادبی رسائل کی محفل میں ماہنامہ ''الحمرا'' لاہور کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ماہنامہ الحمرا کے مدیر شاہد علی خان ہیں اور یہ رسالہ اُردو کے ممتاز کلاسیکی ادیب مولانا حامد علی خان کی یاد میں گزشتہ آٹھ سال سے باقاعدگی سے ہر ماہ کی دس تاریخ کو شائع ہو رہا ہے۔ مئی ۲۰۰۸ء کا شمارہ مضامین نظم ونثر کا عمدہ مرقع ہے۔ ان میں اولیت محمد حامد سراج کے تعزیتی مضمون ''یوں زمین خالی ہوئی'' کو حاصل ہے جو میانوالی کے نوجواں ادیب محمد فیروز شاد کی یاد میں پیش کیا گیا ہے۔ ۱۱

ادبی رسائل کی محفل نے ڈاکٹر انور سدید نے بہت سارے ادبی رسالوں کا تعارف پیش کیا ہے۔

ج۔ ادبی شخصیات

ڈاکٹر انور سدید نے ایک بھرپور ادبی زندگی گزاری ہے اور اُن کا واسطہ اُردو ادب کے نامور ادیبوں شاعروں، نقادوں اور نثر نگاروں سے رہا ہے۔ انہوں نے اندرون ملک اور بیرون ملک مختلف ادبی کانفرنسوں، سیمناروں، مشاعروں اور پروگراموں میں حصہ لیا ہے۔ اس دوران بے شمار ادبی شخصیات سے ان کا تعارف اور شناسائی ہوئی ہے۔ وہ خود بھی ڈاکٹر وزیر آغا کے ایک کیمپ کے سپاہی کے طور پر مشہور رہے ہیں اور ادبی گروہ بندی کا شکار بھی رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم ان کی ادبی کالم نگاری کا جائزہ لیتے ہیں ہمیں مختلف ادبی ذائقے محسوس ہوتے ہیں۔ شاعر ہو یا افسانہ نگار، ناول نگار ہو یا نقاد، انشائیہ نگار ہو یا خاکہ نگار یا ادب کے کسی بھی شعبے سے تعلق رکھنے والا ادیب ہو ان کی نگاہ تیز اور ان کے کالم سے بچ کر نہیں نکل سکتا۔

ڈاکٹر انور سدید نے ہر رنگ اور اسلوب کے کالم لکھے ہیں اگر ان کی ادبی کالم نگاری کا جائزہ لیا جائے تو ان کے سب سے زیادہ کالم ادبی شخصیات کے متعلق ہیں۔ انہوں نے جہاں بڑے بڑے ادیبوں پر کالم لکھے ہیں وہاں کچھ گمنام ادیبوں اور شاعروں پر کالم لکھ کر انھیں عوام الناس سے روشناس کروایا ہے۔

ڈاکٹر انور سدید سے جب بھی کسی نے ان کی ادبی کالم نگاری کی بات کی تو وہ اسکو فن صحافت کی ضرورت قرار دیتے تھے اور اُسے ادب کی صنف شمار نہیں کرتے لیکن انہوں نے اپنے کالموں میں ادب، ادیب اور ادبی معاشرے کو اہمیت دی اور اہل علم نے ان کے کالموں کو ادبی کالم شمار کیا۔ ابتدا میں جب اخباروں کے ادبی کالم مقبول ہوئے تو چند کالم نویسوں نے انہیں اپنی ذاتی تشہیر کا ذریعہ بنالیا اور ادب بھی خبروں کی طرح ہنگامی اور وقتی

زندگی گزارنے لگا۔ چنانچہ ایسے ماحول میں مختلف کالم نویس ادب نوازی چھوڑ کر دشنام طرازی پر اتر آئے۔ ڈاکٹر انور سدید نے ان کالموں کے توڑ کے لیے کالم نویسی شروع کی اور انہوں نے ہمیشہ شاعری اور ادب کو موضوع بنایا ایک جملہ بھی کسی مخالف کی ذات کے خلاف نہیں لکھا کسی کو گالی نہیں دی اور نہ کبھی سوقیانہ زبان استعمال کی۔ ڈاکٹر انور سدید نے مرحوم ادیبوں پر بے شمار تعزیتی کالم لکھے ہیں ان کے تعزیتی کالموں کے دو مجموعے ''ادبیانِ رفتہ'' اور ''زندہ'' لوگ چھپ چکے ہیں۔

ڈاکٹر انور سدید کے ادبی کالم ایک ایسی کہکشاں ہیں جس میں اُردو ادب کے تمام ادیب جگمگاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کے کالموں میں اُردو ادب کے نقاد، شاعر، فلسفی، مورخ، انشائیہ نگار، ناول نگار اور ڈرامہ نگار جیتی جاگتی صورت میں نظر آتے ہیں وہ ان شخصیات کا ایسا تعارف پیش کرتے ہیں جس سے ان کی پوری شخصیت اور ادبی حیثیت ابھر کر سامنے آتی ہے۔ ڈاکٹر انور سدید نے جن ادیبوں کو اپنی کالم نگاری کا موضوع بنایا ہے ان میں کچھ نام ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔

جمیل الدین عالیؔ، ڈاکٹر وزیر آغا، مشفق خواجہ، امجد اسلام امجد، مشتاق یوسفی، غلام عباس، نیاز فتح پوری، منشا یاد، مولانا محمد حسین آزاد، قرۃ العین حیدر، ڈاکٹر صابر کلوروی، رفعت سلطان، سعید ملک، نامی انصاری، ڈاکٹر پروازی، غلام جیلانی اصغر، ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی، ڈاکٹر شبیر الحسن، یزدانی جالندھری، اختر سعید، جوش ملیح آبادی، قاضی قیصر الاسلام، رالف رسل، انیس ناگی، مظفر وارثی، مرزا محمد منور، پروفیسر وہاب اشرفی، قلبی رامپوری، ڈاکٹر اقبال آفاقی، راز کاشمیری، ممتاز مفتی، کلیم اختر، خورشید گیلانی، عبد اللہ ملک، سید فخر الدین، فرخندہ لودھی، ڈاکٹر حسن منظر، پریشان خٹک، عاصی ضیائی رامپوری، صلاح الدین احمد، استاد غلام رسول طارق، م اشرف، شبنم رومانی، ڈاکٹر سہیل احمد خان، خورشید گیلانی اور پروین طارق کے نام شامل ہیں۔

ڈاکٹر انور سدید کی ادبی کالم نگاری میں سب سے زیادہ ذکر ڈاکٹر وزیر آغا کا ملتا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید نے وزیر آغا کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اور ان کی مختلف تصانیف اور نظریات پر کالم لکھے ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید کے یہ کالم وزیر آغا شناسی میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

ڈاکٹر وزیر آغا اور انور سدید کا تعلق پھول اور خوشبو جیسا رہا ہے۔ اخبارات و رسائل میں ڈاکٹر وزیر آغا کے فکر و فن پر تحقیقی مضامین محققین کے لیے کئی راستے ہموار کرتے ہیں۔ ڈاکٹر وزیر آغا اور احمد ندیم قاسمی میں معاصرانہ چشمک پائی جاتی تھی اور دبستان سرگودھا دو حصوں میں تقسیم نظر آتی ہے۔ جب مخالفین وزیر آغا پر بلا جواز تنقید کرتے تو انور سدید شمشیر بے نیام ہو کر وزیر آغا کے لیے ڈھال کا کام کرتے تھے۔ ڈاکٹر انور سدید اور

ڈاکٹر وزیر آغا میں استاد اور شاگرد کا رشتہ تھا۔ ڈاکٹر انور سدید نے ۱۹۷۹ء "اُردو ادب کی تحریکیں" کے عنوان پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا تو ڈاکٹر وزیر آغا ہی ان کے نگران تھے۔

ڈاکٹر انور سدید برملا اس بات کا اظہار کرتے تھے کہ وہ جو کچھ بھی ہیں وزیر آغا کی وجہ سے ہیں۔ وزیر آغا کی وفات پر ڈاکٹر انور سدید نے کہا تھا کہ آج وزیر آغا نہیں میں مر گیا ہوں۔ انہوں نے ہر محاذ پر وزیر آغا کا دفاع کیا اور اُن کے فن پر کتابیں بھی لکھیں۔ ڈاکٹر انور سدید کی تحریروں اور کالموں سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ وہ وزیر آغا کو اپنا مرشد مانتے تھے۔ ڈاکٹر انور سدید کی وفات پر عطاالحق قاسمی نے ایک تعزیتی کالم لکھا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں۔

> ڈاکٹر انور سدید کے انتقال کی خبر کوئٹہ میں سنی اور دلی دکھ ہوا۔ وہ میرے دوستوں میں سے نہیں بلکہ "دشمنوں" میں سے تھے۔ انہوں نے میرے ادبی گرو احمد ندیم قاسمی اور ان کے حلقہ احباب میں سے کسی ایک کو بھی معاف نہیں کیا۔ مجھے اس کا دکھ ہوتا تھا مگر اس سے کہیں زیادہ دکھ اس بات کا تھا کہ ایک شخص جو ادب میں بہت اعلیٰ مقام کا حامل ہو سکتا تھا۔ اس نے مرحوم و مغفور وزیر آغا کی محبت اور عشق میں اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا۔ وہ ساری عمر ایک ایسی لڑائی لڑتے رہے جس کا کوئی جواز نہ تھا۔ انہوں نے وزیر آغا کے حلقہ احباب کے کمزور ادیبوں کو بڑا اور احمد ندیم قاسمی کے حلقہ کے بڑے ادیبوں کو چھوٹا کر کے دکھایا اور یوں بطور نقاد اپنی کریڈیبلٹی کو شدید نقصان پہنچایا۔ ۱۲

ڈاکٹر انور سدید نے وزیر آغا پر مندرجہ ذیل موضوعات قائم کیے ہیں۔ جن میں وزیر آغا کا ذکر ملتا ہے۔ امتزاجی تنقید اور ڈاکٹر وزیر آغا، کاغذی پیراہن، سخن زار، شام کی منڈیر سے، ایک سال ڈاکٹر وزیر آغا کی معیت میں، اقبال وزیر آغا کی نظر میں، ڈاکٹر وزیر آغا کی یاد میں، وزیر آغا کی نظم نگاری وغیرہ۔ ڈاکٹر انور سدید نے وزیر آغا کے علاوہ بھی بے شمار ادیبوں کو اپنے کالموں کا موضوع بنایا ہے۔ افسانہ نگار غلام عباس کے بارے میں اپنے ایک کالم "کچھ وقت افسانہ نگار غلام عباس کے ساتھ" میں لکھتے ہیں۔

> غلام عباس اُردو افسانے کا ایک بے حد اہم افسانہ نگار ہے اور مطلع ادب پر اس وقت سے روشن ہے جب ترقی پسند افسانہ نگاروں نے ابھی دیوار دبستان پر لام الف لکھنا بھی شروع نہیں کیا تھا۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ جب ترقی پسندی کی آندھی چلی اور شخصی

> پروپیگنڈے کو فن پر فوقیت دی گئی تو غلام عباس کو اس طرح پست ڈالا گیا جیسے وہ دنیائے افسانہ کا ایک عام نام بھی نہیں تھا۔۱۳

مندرجہ بالا اقتباس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ڈاکٹر انور سدید نے اُن ادیبوں کی دریافت کے لیے بھی کالم لکھے جن پر زمانے کی گرد بیٹھ چکی تھی اور جو شخصی پروپیگنڈے کا شکار ہو چکے تھے۔ ڈاکٹر انور سدید ایک کالم میں قرۃ العین حیدر کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ''قرۃ العین حیدر کے افسانے کی رومانوی دنیا کے اندر سے برآمد ہونے والے انکشافات کا ایسا اظہار ہیں جن کی چاشنی کبھی ختم نہیں ہو گی''۔۱۴

ڈاکٹر انور سدید کچھ کالم شاہکار قسم کی ادبی تحریریں بن گئے ہیں اور کچھ اوسط درجے کے کالم بھی ہیں۔ بعض اوقات وہ پورے کالم میں اپنی رائے کا اظہار ہی نہیں کرتے صرف شخصیات کا تعارف پیش کر دیتے ہیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے انتہائی مصروف زندگی گزاری ہے اور بے تحاشا پڑھا اور لکھا ہے۔ اس بسیار نویسی اور نغز نگاری کی وجہ سے شاید وہ کبھی کبھی عجلت میں بھی کالم لکھتے ہوں گے کیونکہ ان کے کچھ کالم انتہائی سطحی درجے کے ہیں اور اُن میں کالم والا رنگ ڈھنگ نہیں ملتا لیکن اس سے یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہوتی کہ وہ اس صنف سے واقف نہیں تھے یا اس پر انھیں عبور حاصل نہیں تھا۔

ڈاکٹر انور سدید جب ادبی کالم لکھتے ہیں تو ان کے اندر کا ادبی نقاد پوری طرح حرکت میں نہیں ہوتا اور وہ اپنے کالم کو تنقیدی مضمون نہیں بننے دیتے بلکہ اُسے کالم ہی رہنے دیتے ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید جب ادبی شخصیات کے موضوع پر کالم لکھتے ہیں تو سب سے پہلے اُس شخصیت کے ساتھ اپنے تعلقات اور تعارف کا ذکر کرتے ہیں اور اسکے بعد کسی یاداشت کا ذکر کرتے ہیں تو کالم کی فضا شروع سے ہی بے تکلفانہ اور بے ساختہ سی ہو جاتی ہے۔ وہ مختلف واقعات کا ذکر کرتے جاتے ہیں تو ایسے لگتا ہے کہ بندہ کالم نہیں پڑھ رہا بلکہ کسی ادبی محفل میں بیٹھا ہوا ہے۔ انتہائی سادگی اور مہارت کے ساتھ وہ اپنا کالم ختم کر دیتے ہیں۔ ادبی موضوعات پر مبنی کالم تحقیق اور تنقید کے کئی نئے زاویے تراشتے ہیں اور کئی ادبی نظریات کو تقویت بخشتے ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید ایک کالم میں جھنگ کے ایک شاعر رفعت سلطان کا تذکرہ یوں کرتے ہیں۔

> رفعت سلطان کا مقطع پڑھا تو ادیبوں کی جنتری میں ان کا سالِ پیدائش ۱۹۲۴ء دیکھ کر دل میں ایک ہول سا محسوس کیا، لیکن پھر خیال آیا کہ رفعت سلطان نے بڑی ہموار زندگی بسر کی تھی۔ ان کے سر پر سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ کا سایہ تھا۔ جن دنوں وہ سرگودھا میں محکمہ خوراک میں فوڈ کنٹرولر کے عہدے پر فائز تھے تو ہر شام انور

ریستوران کی محفلوں میں شریک ہوتے اور اپنی غزلیں سناتے، دوسروں کی غزلیں سن
کر خوب داد دیتے۔ موسیقی کا شوق ان کی رگ وپے میں رقصانہ وار موجزن تھا۔ انور
ریستوران ان کے پڑوس کے بالا خانے میں ایک کمرشل بینڈ باجے والوں کی دکان تھی۔
کبھی کبھی اس دکان میں محفل موسیقی سج جاتی۔ موسیقی کی لہر انور گوئندی کے رسالہ ''
کامران'' کے دفتر تک پہنچتی تو رفعت سلطان اٹھ کھڑے ہوتے اور انور ریستوان کی
دیوار پھلانگ کر محفل موسیقی میں جا پہنچے۔۱۵

مندرجہ بالا اقتباس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انور سدید کے کالم شاعروں اور ادیبوں کی زندگیوں کے کئی نئے زاویے اور چھپے ہوئے گوشے سامنے لاتے ہیں اور وہ اپنے کالموں کے ذریعے نئی اور مثبت ادبی معلومات قارئین کی نذر کرتے ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید اپنے ایک کالم میں جمیل الدین عالی کو یوں خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

جمیل الدین عالیؔ کے ذکر پر سید عبد اللہ نے کہا تھا:''اہل درد کے لئے جمیل الدین عالی کا
ایک دوہا بھی کافی ہے اور کلام عالی میں تو بہت سے ایسے دوہے اور اشعار ہیں جن پر اُردو کا
ٹالسٹائی یا دوستوفسکی اگر کوئی کہانی مرتب کرنا چاہیں تو اس کی گنجائش موجود ہے، کیونکہ
اس کی غزل ، دوہا، گیت۔۔۔۔۔ جو کچھ اس نے لکھا ہے دل کی بھاشا سے لکھا
ہے''۔۔۔۔۔۔ عالی صاحب کو بھی ایسے انسانوں میں شمار کرنا چاہیے جن کی سوچ کے
افق پر نصف صدی قبل سوال کا یہ ستارہ روشن ہوا کہ ''انسان کیا ہے؟ اور یہ عالم وجود
میں کیوں لایا گیا ہے۔۱۶

ڈاکٹر انور سدید نے اپنے کالموں میں ملکی اور غیر ملکی تمام طرح کے ادیبوں اور شاعروں کا تذکرہ کیا ہے۔ انڈیا کے ایک شاعر ''نامی انصاری'' پر کالم لکھا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ نامی انصاری کلاسیکت کے ان نقوش کو پہنچانتے ہیں جو شعر کو رعنائیوں کا پیکر بنا دیتے ہیں۔ غلام جیلانی اصغر (مرحوم) کی پہلی برسی پر ان کی یاد میں ''نرم دم گفتگو'' کے عنوان سے کالم لکھا ہے جو ''ندائے ملت'' میں ادب در ادب کے تحت شائع ہوا ہے۔ اسی طرح انہوں نے ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی کا ذکر بھی اپنے کالموں میں کیا ہے اور ان کی کتاب ''بے نشانوں کے نشان'' پر تبصرہ کیا ہے۔ اسی طرح وہ ڈاکٹر شبیر الحسن کے ادبی کالم ''ادبی بیٹھک'' کو موضوع بنا کر اس پر بحث کرتے ہیں وہ ادبی کالم نگاری کی ابتداء اور پاکستان میں اس کی صورت حال کا ذکر بھی کرتے ہیں۔

ڈاکٹر انور سدید نے ''یزدانی جالندھری'' پر ''اردو ادب کا مخلص خدمت گزار'' کے عنوان سے کالم لکھا ہے اور ان کو زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

> اہم بات یہ ہے کہ یزدانی جالندھری نے متعدد نئے لکھنے والوں کے ذوق کی آبیاری کی، ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو دیکھ کر ان کی رہنمائی کی، جوہر قابل کو صیقل کیا، لیکن لفظ فروشی کی چوہادوڑ میں کبھی شامل نہ ہوئے۔ وہ نفس مطمئنہ لے کر پیدار ہوئے تھے اور اپنے قلبی اطمینان کو لوازمات زمانہ سے آلودہ نہیں کیا۔ ان کا اظہار ان کی آسودگی کا وسیلہ تھا۔ آخری دور میں غزل کے ساتھ لغت بھی کہنے لگے تھے جو ان کی عقیدت کا آبگینہ ہے۔۱۷

ڈاکٹر انور سدید اپنے ایک کالم میں ایبٹ آباد کے رہنے والے ایک پروفیسر ڈاکٹر صابر کلوروی کا ذکر کرتے ہیں انہوں نے یہ کالم ڈاکٹر صابر کلوروی کی وفات پر لکھا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید نے ایک بھرپور ادبی زندگی گزاری ہے اور ان کا واسطہ اردو ادب کے نامور ادیبوں شاعروں اور نثر نگاروں سے رہا ہے۔ انہوں نے اندرون ملک اور بیرون ملک مختلف ادبی سرگرمیوں، سیمینارز، کانفرنسوں اور مشاعروں میں حصہ لیا اور اس دوران بے شمار ادبی شخصیات سے اُن کی شناسائی اور تعلق قائم ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم ان کی ادبی کالم نگاری کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں ادب کے مختلف ذائقے ملتے ہیں۔ اُن کی نگاہ تیز میں جو کچھ بھی آیا ہے بچ کر نہیں نکل سکا۔

اپنے ایک کالم میں انہوں نے بتایا ہے کہ ڈاکٹر صابر کلوروی نے اقبالؒ کے گم شدہ کلام پر پی ایچ ڈی کی ہے ان کے نگران ماہر اقبالیات رفیع الدین ہاشمی تھے۔ ان کے مقالے کا عنوان ''باقیات شعر اقبال کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ'' ہے اس کالم میں انور سدید نہ صرف صابر کلوروی کا تعارف کرواتے ہیں بلکہ اقبالیات کے متعلق بھی معلومات باہم پہنچارہے ہیں۔ جو ان کے ذوق مطالعہ اور اقبال شناسی کا ثبوت ہے۔

ڈاکٹر انور سدید اپنے ایک تعزیتی کالم میں ڈاکٹر صابر کلوروی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> صابر کلوروی ۱۹ اکتوبر ۱۹۴۹ء کو ایبٹ آباد کے ایک نواحی دیہات میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے غربت کی گود میں آنکھ کھولی تھی۔ اپنی تعلیمی زندگی کے اخرجات کے لئے کئی پاپڑ بیلے، اس لئے میٹرک سے ایم اے تک کے امتحانات پرائیویٹ طالب علم کی حیثیت میں لمبے وقفوں سے پاس کئے۔ ایک امتحان کی منزل سر کر لیتے تو نئی ملازمت تلاش کرتے۔ اپنی اس تشکیلی زندگی میں انہوں نے میڈیکل ریپ کے علاوہ ایک بینک میں ملازمت بھی کی۔

اس کے ساتھ ہی وہ سید قاسم محمود کے ادارے ''شاہکار بکس'' کے لئے تصنیفی کام بھی کرتے تھے۔ اس دور میں انہوں نے کئی اہم کتابوں کے تراجم کئے اور ایک کتاب ''یادِ اقبال'' تالیف کی۔ اقبال سے محبت کا یہ ان کا پہلا ثبوت تھا اور پھر اقبال سے عشق کی آگ روز بروز فروزاں ہوتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ تحقیقِ اقبال ہی ان کا بنیادی موضوع بن گیا۔۱۸

ڈاکٹر انور سدید اپنے موضوع کو آفاقی بنا کر پیش کرتے ہیں اور اس میں سے مقامیت کا رنگ ختم کر دیتے ہیں ان کی اسی خوبی کی وجہ سے ان کی صحافتی تحریریں بھی ادب پارے شمار کی جاسکتی ہیں۔ وہ تخیل سے بھی کام لیتے ہیں جذبات سے بھی اور یاداشت سے بھی ان کے کالم اُردو ادب کا سرمایہ افتخار ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید نے اردو ادب کے مشہور نقاد ڈاکٹر اقبال آفاقی کو موضوع بنا کر ایک کالم بعنوان ''فلسفی نقاد'' لکھا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں۔

جب جناب اقبال آفاقی کا ذکر آئے تو میرا نطق میری زبان کا بوسہ ضرور لیتا ہے اور میرا جی چاہتا ہے کہ اس منفرد نقاد کے بارے میں جو ادب کو فلسفے کی عمیق نظری سے پڑھتا ہے زیادہ سے زیادہ لکھتا جاؤں۔۔۔۔۔افسانہ نگار کو اسکے باطن سے دریافت کرنے کی کاوش ڈاکٹر اقبال آفاقی کی تنقیدی انفرادیت سے عبارت ہے اور یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ افسانہ ہی نہیں افسانے کی اعلیٰ تنقید بھی آپ کو سرشار کر سکتی ہے۔۱۹

ڈاکٹر انور سدید نے جہاں اُردو شعرا اور ادباء کو اپنے کالموں کا موضوع بنایا ہے وہاں انہوں نے مختلف علاقائی زبانوں کے شعراء کو بھی اپنے کالموں کا موضوع بنایا ہے جس میں سرائیکی، پنجابی، سندھی اور پشتو زبان کے شعرا شامل ہیں۔ وہ پشتو زبان کے مشہور شاعر پریشان خٹک کا ذکر اپنے ایک کالم بعنوان ''خوشحال دیس کا پریشان خٹک'' میں کرتے ہیں۔ اسکے علاوہ انہوں نے عربی شاعر امراء القیس کو بھی اپنے کالم کا موضوع بنایا ہے۔ اُردو ادب کے نامور مورخ مولانا محمد حسین آزاد پر بھی اپنا کالم لکھا ہے۔ مقبول افسانہ نگار قیسی رام پوری کی وفات پر ان کے تعزیتی کالم بعنوان ''قیسی رامپوری کی یاد میں'' لکھا ہے۔

قیسی رامپوری اُردو ادب کے افق پر ۱۹۳۰ء کی دہائی میں طلوع ہوئے تھے۔ ان کے افسانے شاہد احمد دہلوی کے رسالہ ''ساقی'' میں نمایاں طور پر چھپتے تھے تو ان کا ذکر خیبر سے راس کماری تک ہندوستان کے طول و عرض میں ہونے لگتا تھا۔ قیسی نے اپنے افسانوں میں اپنے گرد و پیش میں پھیلی ہوئی زندگی کی قاشیں بڑی خوب صورتی سے پیش کی تھیں۔ ان کے باطن میں زندگی کے کل پر نظر رکھنے والا ناول نگار بھی موجود تھا۔ چنانچہ انہوں نے چوراہا،

آخری فیصلہ، دھوپ، دل کی آواز، رونق اور رضوان جیسے مقبول ناول لکھے۔ قیسی رامپوری نے زندگی کا بیشتر حصہ شہرت کی چاندنی میں بسر کیا اور یہ اعتراف کرتے ہوئے مجھے خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ میں قیسی رامپوری کے ناول اور افسانوں کا قاری تھا۔ ۲۰

ڈاکٹر انور سدید اپنے ایک تعزیتی کالم ''فرخند لودھی (مرحومہ) اور ان کی ذاتی ڈائری کے چند اوراق'' میں لکھتے ہیں

فرخندہ لودھی ۵ مئی ۲۰۱۰ء کو لاہور میں انتقال کر گئیں۔ اس صدی کے آغاز میں ان پر فالج کا حملہ ہوا تھا لیکن اپنی مضبوط قوت ارادی سے انہوں نے اس حملے کو نہ صرف پسپا کر دیا بلکہ اپنی صحت کو اس طرح بحال کیا کہ وہ اپنی ادبی سرگرمیوں میں بھی بے حد فعال ہو گئیں۔ اس دور میں انہوں نے اپنے اُردو افسانوں کا پانچواں مجموعہ ''جب بجا کٹورا'' شائع کیا اور پنجابی افسانوں کی کتاب ''کیوں؟'' مرتب کر کے چھاپی اور ساڑھے چار سو سے زائد صفحات کا پنجابی ناول تخلیق کیا۔ ۲۱

ڈاکٹر انور سدید نے اپنے کالموں کے ذریعے ان شاعروں اور افسانہ نگاروں کو بھی منظر عام پر لایا ہے جن کو ہمارے نقاروں نے یکسر بھلا دیا تھا یا وہ کسی خاص ادبی گروہ سے تعلق نہ رکھنے کی وجہ سے منظر عام پر نہیں آسکتے تھے۔ ڈاکٹر انور سدید نے منشا یاد، فرخندہ لودھی، مشفق خواجہ، امجد اسلام امجد پر بھی ''ندائے ملت'' میں ''ادب در ادب'' کے عنوان کے تحت خوب صورت کالم لکھے ہیں۔

ڈاکٹر انور سدید کی ادبی کالم نگاری نہ صرف ان کے ہم عصر ادیبوں کا احاطہ کئے ہوئے بلکہ ماضی کے اُن ادیبوں کی بھی بازیافت کرتی ہے۔ جو نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے۔ چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ بیسویں صدی کے ادیب اس حوالے سے خوش قسمت ہیں کہ اُن کو انور سدید جیسا کالم نگار نصیب ہوا جس کے کالم اُن ادیبوں کو دنیائے ادب میں زندہ رکھیں گے۔ ڈاکٹر انور سدید کی ادبی کالم نگاری کے موضوعات اُردو ادب کے ادیبوں کو عوام سے متعارف کروانے میں مدومعاون ہیں اور محققین کے لئے نئی راہیں متعین کرتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۵ء ص ۴۹۳

۲۔ ایضاً، ص ۴۹۵

۳۔ ابرار احمد، مزاحمتی ادب، (مضمون) مشمولہ: مزاحمتی ادب (اُردو)، مرتب رشید امجد، اکادمی ادبیات پاکستان H-8/1 اسلام آباد، ۱۹۹۵، ص ۵۴

۴۔ شہزاد منظر، پاکستان میں اُردو ادب کی صورت حال، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۴، ص ۳۷

۵۔ انور سدید، ڈاکٹر، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، (کالم بعنوان: ادب در ادب) مطبوعہ، ہفت روزہ ندائے ملت، لاہور، ۲۵ تا ۳۱ مارچ ۲۰۱۰ء، ص ۴۶

۶۔ انور سدید، ڈاکٹر، ''الزبیر'' بہاولپور کا ادبی نخلستان، (کالم بعنوان: ادب در ادب) مطبوعہ، ہفت روزہ ندائے ملت، لاہور، ۱۴ تا ۲۰ اگست ۲۰۱۰ء، ص ۴۶

۷۔ انور سدید، ڈاکٹر، زندہ ادب کا نمائندہ رسالہ ''قرطاس''، (کالم بعنوان: ادب در ادب) مطبوعہ، ہفت روزہ ندائے ملت، لاہور، ۱۷ تا ۲۳ جولائی ۲۰۰۸ء، ص ۴۶

۸۔ انور سدید، ڈاکٹر، نئے ادبی رسائل کی محفل، (کالم بعنوان: ادب در ادب) مطبوعہ، ہفت روزہ ندائے ملت، لاہور، ۵ تا ۱۱ جون ۲۰۰۸ء، ص ۴۶

۹۔ انور سدید، ڈاکٹر، ایک ادھوری سر گزشت، (کالم بعنوان: ادب در ادب) مطبوعہ، ہفت روزہ ندائے ملت، لاہور ۲۷ نومبر تا ۳ دسمبر ۲۰۰۸ء، ص ۴۷

۱۰۔ انور سدید، ڈاکٹر قید باغستان، (کالم بعنوان: ادب در ادب) مطبوعہ: ہفت روزہ ندائے ملت، لاہور، ۱۵ تا ۲۱ جنوری ۲۰۰۹ء، ص ۴۶

۱۱۔ انور سدید، ڈاکٹر، شام کی منڈیر سے، (کالم بعنوان: ادب در ادب) مطبوعہ: ہفت روزہ ندائے ملت، لاہور، ۵ تا ۱۱ نوبر ۲۰۰۹ء، ص ۴۵

۱۲۔ عطاالحق قاسمی، انور سدید کی یاد میں، (کالم بعنوان: ادب در ادب) مطبوعہ: روزنامہ جنگ، لاہور، ۱۶ مارچ ۲۰۱۶ء، ص ۱۳

۱۳۔ انور سدید، ڈاکٹر، کچھ وقت افسانہ نگار غلام عباس کے ساتھ، (کالم بعنوان: ادب در ادب) مطبوعہ،

ہفت روزہ ندائے ملت، لاہور، یکم تا ۷ اپریل ۲۰۱۱ء، ص ۴۶

۱۴۔ ایضاً، ص ۴۶

۱۵۔ انور سدید، ڈاکٹر، رفعت سلطان جھنگ کو ویران کر گیا، (کالم بعنوان: ادب در ادب) مطبوعہ: ہفت روزہ ندائے ملت، لاہور، ۱۰ تا ۱۶ جنوری ۲۰۰۸ء، ص ۴۶

۱۶۔ انور سدید، ڈاکٹر، اکیسویں صدی کا عظیم نظمیہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جمیل الدین عالی کا انسان، (کالم بعنوان: ادب در ادب) مطبوعہ: ہفت روزہ ندائے ملت، لاہور، ۲۴ تا ۳۰ جنوری ۲۰۰۸ء، ص ۴۵

۱۷۔ انور سدید، ڈاکٹر، اقبال شناس ڈاکٹر صابر کلوروی کے لئے تعزیت، (کالم بعنوان: ادب در ادب) مطبوعہ، ہفت روزہ ندائے ملت، لاہور، ۳ تا ۹ اپریل ۲۰۰۸، ص ۴۶

۱۸۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کا مخلص خدمت گزار۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یزدانی جالندھری، (کالم بعنوان: ادب در ادب) مطبوعہ: ہفت روزہ ندائے ملت لاہور، ۲۰ تا ۲۶ مارچ ۲۰۰۸ء، ص ۴۶

۱۹۔ انور سدید، ڈاکٹر، فلسفی نقاد، ڈاکٹر اقبال آفاقی اور ان کی دو کتابیں، (کالم بعنوان: ادب در ادب) مطبوعہ: ہفت روزہ ندائے ملت، لاہور، ۱۳ تا ۱۹ فروری ۲۰۱۴، ص ۴۶

۲۰۔ انور سدید، ڈاکٹر، قیسی رامپوری کی یاد میں، (کالم بعنوان: ادب در ادب) مطبوعہ، ہفت روزہ ندائے ملت، لاہور، ۱۹ تا ۲۵ اگست ۲۰۱۰ء، ص ۴۶

۲۱۔ انور سدید، ڈاکٹر، فرخندہ لودھی مرحومہ کی ذاتی ڈائری کے چند اوراق، (کالم بعنوان: ادب در ادب) مطبوعہ، ہفت روزہ ندائے ملت، لاہور، ۲۰ تا ۲۴ مئی ۲۰۱۰، ص ۴۶

باب چہارم

متفرق موضوعات

ڈاکٹر انور سدید کے کالموں کے موضوعات کو سیاست اور ادب تک محدود نہیں کیا جا سکتا۔ سیاست اور ادب کے علاوہ بھی انہوں نے مختلف موضوعات پر لکھا ہے۔ چونکہ ڈاکٹر انور سدید ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے اور ان کا مطالعہ بیت وسیع تھا۔ ان کا مطالعہ اور تجربہ ادب، صحافت اور سیاست کا احاطہ کیے ہوئے نظر آتا ہے ان کے بارے میں غلام الثقلین نقوی لکھتے ہیں: انور سدید ایک ایسی ہستی کا قلمی نام ہے جسکی ذات میں ہمہ گیری کا جن چھپا بیٹھا ہے۔ ا

ڈاکٹر انور سدید نے اُردو ادب کے ساتھ ساتھ اُردو صحافت میں بھی اپنی مہارت کا لوہا منوایا ہے۔ انہوں نے مختلف اخبارات و رسائل کی ادارات کے فرائض بڑے احسن طریقے سے سر انجام دیئے ہیں۔ وہ صحافتی حلقوں میں بہت عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور صحافت کی اخلاقیات اور تکنیک سے پوری طرح آگاہ تھے۔ ڈاکٹر انور سدید کے بارے میں میرزا ادیب نے لکھا ہے۔

> انور سدید اُردو ادب کے تاج محل کے جمال آفرین مستری ہیں اور یہ حیثیت انھیں بہت بلند مقام پر لے جاتی ہے۔۔۔۔۔۔۔ وہ بے تحاشا پڑھتے ہیں اور بے تحاشا لکھتے ہیں۔ ۲

ڈاکٹر انور سیدید بسیار نویسی اور نغز نگاری کا اجتماع نظر آتے ہیں جس طرح ان کے قلم نے ادب کے مختلف موضوعات کا احاطہ کیا ہے اسی طرح کالم نگاری میں بھی انہوں نے مختلف موضوعات کا احاطہ کیا ہے۔ سیاست اور ادب کے علاوہ ان کے زیادہ تر کالم صحافت کے متعلق ہیں۔ ان کے کالم ادب اور صحافت کا حسین امتزاج ہیں ان کی کالم نگاری کے جائزے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ فن صحافت سے پوری طرح آگاہ تھے۔ ڈاکٹر انور سدید نے صحافت اور صحافتی شخصیات کے موضوعات پر بے شمار کالم لکھے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی ان کے کالموں میں مختلف موضوعات مل جاتے ہیں۔

چنانچہ ان کے متفرق موضوعات کو دو عنوانات کے تحت بیان کیا جائے گا۔

ا۔ صحافت اور صحافتی شخصیات ب۔ قومی مسائل

الف۔ صحافت اور صحافتی شخصیات

ڈاکٹر انور سدید نے سیاست اور ادب کے بعد سب سے زیادہ کالم صحافت کے متعلق لکھے ہیں۔ اگر ان کے کالموں کا جائزہ لیا جائے ہمیں ایسے موضوعات ملتے ہیں جن میں وہ مختلف صحافتی شخصیات اور صحافتی مسائل کا تذکرہ کرتے ملتے ہیں۔ کہیں اخبارات کی ذمہ داریوں اور پریس کی آزادی کے متعلق بھی کالم مل جاتے ہیں۔ انہوں نے فن صحافت کے ساتھ ساتھ مختلف کانفرنسوں اور سیمینارز وغیرہ کا احوال بھی بیان کیا ہے۔

جس طرح ان کی ادبی زندگی میں وزیر آغا کا کردار نظر آتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے وزیر آغا سے گہرے اثرات لیے ہیں۔ اُسی طرح ان کی شخصیت کے صحافتی گوشے میں حمید نظامی براجمان نظر آتے ہیں۔ یہ بات واضح ہے کہ انور سدید نے حمید نظامی سے اور ''نوائے وقت'' سے بہت بعد میں اپنا تعلق قائم کیا۔ ''نوائے وقت'' سے پہلے وہ میدان صحافت میں اپنا لوہا منوا چکے تھے مگر پھر بھی ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے حمید نظامی سے گہرے اثرات قبول کیے ہیں اس بات کا ثبوت ان کے کالموں سے ملتا ہے انہوں نے حمید نظامی کے متعلق بہت سارے موضوعات قائم کر کے ان کی صحافتی خدمات کو قارئین تک پہنچایا اور حمید نظامی کی نظریہ پاکستان سے جو جذباتی اور والہانہ وابستگی تھی اسکو مختلف کالموں میں اجاگر کیا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید حمید نظامی کو صحافت کا بطل جلیل قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں

> حمید نظامی کی زندگی میں وہ دن سب سے بڑا اہم تھا جب انہوں نے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی بنیاد ڈالی۔ قائداعظم سے رابطہ قائم کیا اور مسلم لیگ کی تحریک کو نوجوان خون اور تازہ ولولے سے آراستہ کر دیا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب ملک کے مختلف گوشوں میں حمید نظامی کی آواز ابھری اور پھر یہ پاکستان کی آواز بن گئی۔۔۔۔انہوں نے محمد علی جوہر کی تقلید میں ''نوائے وقت'' جاری کیا۔۳

ڈاکٹر انور سدید نے حمید نظامی کی کالم نگاری کو موضوع بنا کر ایک کالم لکھا ہے جس کا عنوان ''حمید نظامی کے کالم'' یہ قسط وار چھپتا رہا ہے۔ حمید نظامی نے اپنی کالم نگاری کے ذریعے کانگریس اور مہاتما گاندھی کی پالیسیوں کو کڑی تنقید کا نشانہ بنایا ہے اس ضمن میں ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں۔

> مثال کے طور پر مہاتما گاندھی ایک سانس میں کہتے ہیں کہ موجودہ صورت حالات میں عہدے قبول کر کے کانگرس ملک کی کوئی خدمت نہیں کر سکتی'' لیکن دوسری سانس میں یہ فرماتے ہیں کہ ''میری انا کی آواز یہ کہتی ہے کہ ملک کا بھلا اسی میں ہے کہ کانگریس

عہدے قبول کرے"حمید نظامی نے اس تضاد بیانی پر "آتما کی آواز" کا عنوان جما کر گاندھی کی مہاآتمیت کو بے نقاب کیا۔۴

ڈاکٹر انور سدید حمید نظامی کے حوالے سے تحریک پاکستان کا تذکرہ بھی کرتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ۱۹۴۰ کا زمانہ ہے اور تحریک آزادی لڑی جارہی ہے۔ نوائے وقت کی ابتداء اگرچہ ایک ادبی مجلے کے طور پر ہوئی تھی لیکن اس میں سیاست کی جہت موجود تھی۔ حمید نظامی اور قائدِ اعظم محمد علی جناح دونوں ہی مسلمانوں کی آزادی کے خواہاں تھے۔ چنانچہ حمید نظامی نے قائدِ اعظم محمد علی جناح کے سپاہی کے طور پر کام کیا اور نوائے وقت کو"ڈان" کے بعد مسلم لیگ کا ترجمان خیال کیا جاتا تھا۔ ڈاکٹر انور سدید اپنے کالم میں لکھتے ہیں۔

> نوائے وقت کا اجراء ہوا تو اس کے ادبی کردار کو سراہا گیا۔۔۔ علمی، ادبی اور سیاسی حلقوں میں اس کا خیر مقدم کیا گیا۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح نے اپنے پیغام میں فرمایا" مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی ہے کہ آپ (حمید نظامی) اُردو کی خدمت کے لیے ایک اخبار جاری کر رہے ہیں۔۔۔ کچھ عرصے سے سیاسی مصلحتوں کے پیشِ نظر سے محض مسلمانوں کی زبان قرار دیا جارہا ہے اس سے مسلمانوں کی ذمہ داری اور بڑھ گئی ہے۔ اس امر کے پیشِ نظر مجھے امید ہے کہ مسلمان اُردو کے فروغ کے لیے بیش از بیش جدوجہد کریں گے۔ میں آپ کی کامیابی کے لیے دست دعا ہوں۔۵

ڈاکٹر انور سدید ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں

> حمید نظامی نے کبھی حالات سے سمجھوتہ کیا نہ کبھی اپنا موقف بدلا اور نہ اسے کوئی جابر حکمران خرید سکا اور نہ ہی جھکا سکا۔ نوائے وقت کی پالیسی کا بنیادی محور یہ رہا ہے کہ پاکستان جمہوری جدوجہد کا نتیجہ ہے اور اسے باطنی طور پر مضبوط بنانے کے لیے جمہوری اداروں کو مضبوط بنانا ضروری ہے۔٦

ڈاکٹر انور سدید نے حمید نظامی پر بے شمار کالم لکھے ہیں بالخصوص ان کی تحریک پاکستان کے لیے جدوجہد اور پاکستان بننے کے بعد فوجی حکومتوں کے خلاف ان کی بطور صحافی جو کارکردگی تھی اس کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر ان کے کالموں کو جمع کیا جائے تو حمید نظامی کی زندگی کے ایک پہلو پر پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے جو تحریک پاکستان، صحافت کی آزادی اور آمریت کے خلاف حمید نظامی کے کردار کو اجاگر کر سکتی ہے۔

ڈاکٹر انور سدید نے حمید نظامی اور نوائے وقت سے متعلق جو موضوعات قائم کئے ہیں اُن میں چیدہ چیدہ موضوعات مندرجہ ذیل ہیں آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی، ذکر مولانا صلاح الدین احمد اور حمید نظامی کا، حمید نظامی بحیثیت صحافی، نوائے وقت کی ابتدائی ادبی جہت، حمید نظامی کے کالم، جسٹس کیانی اور حمید نظامی، نوائے وقت۔۔۔ قائدِ اعظم سے مادرِ ملت تک، حمید نظامی کی صحافتی جرات مندی، حمید نظامی۔۔۔اُردو صحافت کا بطلِ جلیل ''حمید نظامی ۔۔۔ زندہ پائندہ درخشاں ہے، حمید نظامی حق گوئی، بے باکی اور خوداری کا رجل عظیم، قومی خدمت کے مشن کی توسیع۔۔۔ حمید نظامی ہال، مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن، عبد السلام خورشید اور حمید نظامی۔

ڈاکٹر اانور سدید نے حمید نظامی اور ''نوائے وقت'' کے علاوہ بھی مختلف اخبارات اور صحافتی شخصیات کے موضوع پر مبنی کالم لکھے ہیں ان میں مولانا ظفر علی خان، شورش کاشمیری، زیڈاے سلہری، طلعت قریشی، مولانا صلاح الدین احمد، عبد الحمید سالک، عبد السلام خورشید، مجید نظامی، طاہر شادانی وغیرہ کے نام شامل ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید مولانا ظفر علی خان کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> اخبار زمیندار کی ادارت نے ظفر علی خان کو اپنے سیاسی، سماجی تہذیبی اور ادبی خیالات کے اظہار کے لیے ایک وسیع میدان فراہم کر دیا۔ وہ ''اخبار زمیندار'' کو کرم آباد سے لاہور لے آئے اور اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کی ترجمانی کا حق تحریری اور تقریری طور پر کرنے لگے۔ ۷

روزنامہ زمیندار کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں

> طرابلس اور بلقان کی جنگوں میں اس اخبار نے خبر رسانی کے فرائض اس مستعدی سے ادا کئے کہ پورے ہندوستان میں زمیندار کا طوطی بولنے لگا طرابلس اور بلقان کی جنگوں نے مسلمانوں کے جذبات کو آتش فشاں بنا دیا تھا اور ظفر علی خان کی شعلہ بار نظموں نے انہیں آسودگی عطا کی۔ ۸

مولانا ظفر علی خان ایک جرائت مند صحافی تھے اور انھوں نے تاج برطانیہ کے خلاف اپنے قلم سے جہاد شروع کر رکھا تھا ان کے اس کردار کے بارے میں انور سدید نے لکھا ہے۔

> ظفر علی خان ''آوازہء حق'' نے ''زمیندار'' کو تاج برطانیہ کا باغی اخبار بنا دیا اس پر مستزاد ظفر علی خان کی موچی دروازے کے باہر کی تقریریں تھیں۔ جو دشمنانِ ملت کے

بخیے ادھیڑنے کا کام انجام دے رہی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سامراج ان کا دشمن بن گیا اور سرکاری گماشتے ان کی گرفتاری کے منصوبے بنانے لگے۔ مولانا ظفر علی خان کو بھنک پڑی تو بمبئی کے راستے استنبول پہنچ گئے اور بلقان کے متاثرین کے لیے قسطنطنیہ میں سلطان معظم کی خدمت میں رقم پیش کی۔۹

جب ہم ڈاکٹر انور سدید کے صحافت پر مبنی کالموں کا جائزہ لیتے ہیں تو اس میں حمید نظامی اور مولانا ظفر علی خان کے حوالے سے بار بار تحریک پاکستان کا تذکرہ ملتا ہے۔ چونکہ ڈاکٹر انور سدید کو بھی تحریک پاکستان کے ساتھ جذباتی وابستگی رہی ہے اور انہوں نے ۱۹۲۷ء میں جب اس دنیا میں آنکھ کھولی تو مسلمانان ہند اپنی آزادی کی تحریک لڑ رہے تھے اور جب ڈاکٹر انور سدید نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو اس وقت پاکستان معرض وجود میں آچکا تھا۔ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ قیام پاکستان کے وقت کے واقعات اور حالات ان کے لاشعور کا حصہ بن چکے تھے اور وہ ساری زندگی ان خیالات سے پیچھا نہیں چھڑا سکے۔ ایسا لگتا ہے وہ ''نوائے وقت''، ''علی گڑھ'' اور ''قائداعظم'' کے ایک مثلث بنائے ہوئے ساری زندگی اس میں قید رہے ان کے موضوعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ تحریک آزادی کے بچھڑے ہوئے سپاہی ہیں اور ماضی کے واقعات ان کے نوک قلم پر آہی جاتے ہیں اور اُس دور کے واقعات وہ انتہائی جذباتی وابستگی سے لکھتے ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید مولانا صلاح الدین احمد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

وہ ادبی آذروں کے آذر تھے اور آغاز بلوغت کے قلمکاروں کی تحریروں کو اپنے قلم سے سرخ کر دیتے قلم کی اس سرخی سے انھیں مستقبل کا نامور ادیب نکالنے کا فن خوب آتا تھا وہ زبان کے مسائل کو سب سے زیادہ فوقیت دیتے۔۔۔۔ انہوں نے صدر ایوب خان کی گوشمالی محض اس لیے کی کہ ان کو انہوں نے ملک کے تسمیہ سے ''اسلامی'' کا لفظ خارج کر دیا تھا۔ صدر ایوب بہت جزبز ہوئے لیکن پھر انھیں مولانا کی تجویز منظور کرنی پڑی۔۱۰

ڈاکٹر انور سدید نے اصول پسند صحافیوں کو ہمیشہ سے اپنے کالموں میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔ وہ صحافیوں کی اصول پسندی کا تذکری کر کے نئی نسل کو صحافتی اخلاقیات کا درس دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب کسی بڑے صحافی کی برسی ہوتی تو انور سدید اس پر کالم لکھ کر اس کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ زیڈ اے سلہری دنیائے صحافت کا ایک بڑا نام ہے جس طرح حمید نظامی نے قیام پاکستان کے لئے اُردو صحافت کو مورچہ سنبھالا ہوا

تھا اسی طرح ان کے شانہ بشانہ زیڈ اے سلہری نے انگریزی صحافت کا مورچہ سنبھالا ہوا تھا اور روزنامہ ڈان کے نامہ نگار کی حیثیت سے انگریزی دان طبقے کو متاثر کرتے رہے۔ ڈاکٹر انور سدید اپنے کالم جس کا موضوع ''زیڈ اے سلہری۔۔۔ صحافت کی زندہ آواز'' میں زیڈ اے سلہری کے متعلق لکھتے ہیں۔

> زیڈ اے سلہری نے متعدد صحافیوں کی عملی تربیت کی اور کئی ایسے صحافی پیدا کئے جو اسلام، نظریہ پاکستان، اقبال اور قائد اعظم کے ساتھ گہری وابستگی رکھتے تھے ۔۔۔۔۔۔ انہوں نے اپنی جوانی کے ایام میں دو قومی نظریے کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی اور قائد اعظم اور اقبال کے نظریات کو فروغ دینے کے لیے اپنے قلم سے تلوار کا کام لیا۔ ۱۱

ڈاکٹر انور سدید نے مجید نظامی کے متعلق بھی کالم لکھے ہیں اور اپنے ایک کالم ''مجید نظامی۔۔۔ صحافت کے بہتر اور ادارت کے پچاس سال'' کو موضوع بنایا ہے۔ مجید نظامی بھی ڈاکٹر انور سدید کی صلاحیتوں کے بہت معترف تھے اور انھیں داد دیے بغیر نہیں رہتے تھے۔ ۲۰۰۵ء میں جب انور سدید ''نوائے وقت'' سے رضا کارانہ ریٹائر ہوئے تو ان کی الوداعی تقریب میں جناب مجید نظامی نے کہا تھا کہ ادیب اور صحافی کبھی ریٹائر نہیں ہوتا، شاید یہی وجہ تھی کہ انور سدید دفتر سے ریٹائر ہو گئے مگر نوائے وقت سے ریٹائر نہیں ہوئے اور ریٹائرمنٹ کے بعد بھی اُسی تسلسل کے ساتھ اپنے کالم لکھتے رہے۔

ڈاکٹر انور سدید کے کالموں کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ وہ نوائے وقت کو ایک فیملی سمجھتے تھے یعنی وہاں کام کرنے والے تمام لوگوں کو ایک ہی خاندان تصور کرتے۔ طلعت قریشی ''جو نوائے وقت'' میں ہی ملازمت کرتے تھے اور شعبہ صحافت کے مختلف امور سرانجام دیتے ان کی وفات پر ڈاکٹر انور سدید نے تعزیتی کالم لکھا اور ان کی صلاحیتوں کو خراج تحسین پیش کیا ڈاکٹر انور سدید اپنے کالم ''چند آنسو۔۔۔ طلعت قریشی کے لیے'' میں لکھتے ہیں۔

> طلعت قریشی اسے اپنی زندگی کا نمایاں ترین اعزاز سمجھتے تھے کہ وہ ادارہ ''نوائے وقت'' کے رکن تھے۔ انہوں نے یونیورسٹی کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد سی ایس ایس کا امتحان پاس کیا مگر اکادمی کی تربیت کے دوران اچانک ایک مرض نے شکنجے میں لے لیا اور یہ مرض عمر بھر ان کی زندگی کا روگ بن گیا۔ زندگی کی گاڑی چلانے کے لیے انہوں نے صحافت کا شعبہ اختیار کیا اور چند انگریزی اخبارات میں کام کرنے کے بعد ''نوائے

وقت'' میں آگئے اور یہاں بیس برس تک صحافت کے تمام شعبوں میں خدمات سر انجام دیں۔ان کی آخری ذمہ داری ایڈیٹوریل کے شعبے میں تھی اور ان کا عالمی امور کا مطالعہ وسیع تھا۔ چنانچہ وہ شذرہ لکھتے۔۔۔ ان کے اپ ٹوڈیٹ شذرے عالمی سیاسی معلومات کا عکس دکھانے لگتے۔۱۲

ڈاکٹر انور سدید صحافت پر لکھتے وقت ''نوائے وقت'' کے حصار سے نہیں نکل سکتے ان کے صحافت سے متعلق کالموں کا جائزہ لیا جائے تو کہیں نہ کہیں زیریں سطح پر حمید نظامی اور نوائے وقت کا نظریہ نظر آہی جاتا ہے۔ چونکہ بنیادی طور پر وہ ایک ادبی مورخ اور نقاد تھے شاید اسی وجہ سے کالم نگاری ان کی الگ سے شناخت نہیں بن سکی۔ حمید نظامی اور ''نوائے وقت'' ایسے موضوعات ہیں جن کو انہوں نے خوب چبایا ہے۔اس کے علاوہ بھی کچھ شخصیات کو موضوع بنایا گیا جیسا کہ صاحبزادہ خورشید گیلانی کی وفات پر ان پر ایک تعزیتی کالم لکھا جس کا موضوع تھا'' وہ جہاں میں صورت خورشید تابندہ رہے'' اس کالم میں ڈاکٹر خورشید گیلانی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

خورشید گیلانی کی کالم نگاری لفظ کی حرمت بیچنے والوں کیلئے ایک ایسی مثال تھی جسکی تقلید کے راستے اب ناپید ہیں۔ان کا کالم ''الہدٰی'' اسلام کی تبلیغ اور بھٹکے ہوئے معاشرتے کے لیے اصلاح کا وسیلہ تھا۔ان کا کالم ''قلم برداشتہ'' ان کی شعلہ نوا قندیل تھی اور اندھیری شب میں قافلے سے جدا ہونے والوں کو راستہ دکھارہی تھی۔ وہ ابوالکلام آزاد نہیں تھے لیکن ان کی تحریر کا جوہر ان کے قلم نے قبول کر لیا تھا۔ان کی ادبی نثر کا رشتہ ایک طرف رشید احمد صدیقی کے علی گڑھ کے رومانوی اسلوب سے قائم ہوتا ہے تو اس کا دوسرا سرچشمہ علامہ اقبال کی شاعری تھی۔ مجھے وہ کبھی شورش کشمیری اور چودھری افضل حق کے قافلے کے حُدی خواں نظر آتے جن کے فقرے شبنم سے دھلے ہوتے۔۱۳

اسکے علاوہ انور سدید نے پریس کی آزادی کے متعلق بھی کالم لکھے ہیں۔ جب جنرل پرویز مشرف نے پریس پر پابندیاں لگادیں تو اس وقت انور سدید نے اپنے کالم گفتنی میں اس پر شدید تنقید کی اور اسکو پریس کی آزادی پر دوطرفہ حملہ قرار دیا۔اسی طرح جب وہ ''نوائے وقت'' سے ریٹائر ہوئے تو انہوں نے ''دوسری ریٹائرمنٹ'' کے عنوان کے تحت کالم لکھا جس میں اپنی صحافتی مصروفیات کا ذکر کیا اور نوائے وقت کا شکریہ ادا

کیا۔ اسکے علاوہ انہوں نے عبدالکریم عابد جو ایک ممتاز صحافی تھے ان کی وفات پر ایک کالم " سفر آدھی صدی کا" لکھا۔ مولانا عبدالمجید سالک کی زندگی پر بھی ایک کالم لکھا اور ان کی صحافتی سرگرمیوں کی تعریف کی۔ اسکے علاوہ عبداللہ مالک کی یاد میں بھی ایک تعزیتی کالم لکھا۔

ب۔ قومی اور دیگر مسائل

ڈاکٹر انور سدید کی کالم نگاری کے پسندیدہ موضوعات سیاست، ادب اور صحافت ہیں۔ انہوں نے زیادہ تر کالم ان ہی اصناف سے متعلق لکھے ہیں مگر کہیں کہیں ان کا قلم ان حدود سے باہر بھی نکلا ہے اور انہوں نے معاشرے کے دیگر مسائل اور ناہمواریوں کو بھی موضوع بنایا ہے۔ ہمارے معاشرے میں بے شمار موضوعات بکھرے پڑے ہیں اور ایک اچھا کالم نگار ان موضوعات تک پہنچ ہی جاتا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید تو ہمہ جہتی کا جن تھے اور اُن کے فن کی اساس ان کا مطالعہ ہے اور ان کا انداز نگارش ہر صنف ادب سے ہم آہنگ ہونے کے ساتھ ساتھ تخلیقیت کے جوہر سے مملو ہے۔ اُن کی ادبی جہات بہت کثیر ہیں چنانچہ اسی نسبت سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اہم انور سدید کو کسی مخصوص خول میں بند نہیں کر سکتے۔ جس طرح انہوں نے ادب کے میدان میں ہر صنف ادب کو کھنگالا ہے اور مختلف ادبی موضوعات اپنے نوک قلم پر لائے ہیں۔ اُسی طرح انہوں نے صحافت کے میدان میں بھی اپنے بھرپور جوہر دکھائے ہیں اور مختلف مسائل کو اپنے کالموں کو موضوع بنایا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید کی کالم نگاری کے جائزے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے ہر طرح کے مسائل پر قلم اُٹھایا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ان کے کچھ موضوعات ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں جس سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ ان کی نظریں کہاں کہاں تک پہنچتی تھیں۔ ان کے کچھ موضوعات مندرجہ ذیل ہیں۔

بھوک غربت اور ترقی کے مسائل ، قومیں اپنے اجتماعی نفسیات میں سفر کرتی ہیں، اسلامی انسلائیکلوپیڈیا، پنجاب پولیس اور نئی سوچ عظمت طب و رفعت اطباء کا خدمت گار عنایت اللہ سوہدروی، قلعہ لاہور کی کہانی، تحریک کشمیر، سماجی پیداوار اور صنعت کاری، ٹرسٹ سکول سے ایک ملاقات، پاکستان میں کرپشن کلچر کا فروغ، سٹیٹ بنک آف پاکستان کی سالانہ رپورٹ، ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی غیر اعلانیہ نظر بندی، ہمارے حقیقی اور اصلی حکمران، پروفیسر حمید احمد خان، معاشرے میں عدلیہ کا کردار، اکتوبر کے صدمے، تباہ کن زلزلے کے اقتصادی اثرات، چھ ستمبر یوم فتح یا یوم ملال، ۱۱۸ اہم شخصیات کے مکتوب، ۱۹۶۷ء کے فسادات لاہور اور اقبال، پنجابی زبان کے فروغ میں وطن دشمنی کا عمل، ایک جج کی داستان، چیف جسٹس کی میرٹ پر تقرری،

فتوحات مکیہ، عشقِ رسولؐ والٹن میں باب پاکستان یونیورسٹی تعمیر کی جائے، پروفیسر سید ظلِ ہما، آنکھوں، کو روشن کرنے والا رفاہی ادارہ (حاجی محمد بشیر احمد میموریل)، ذکر سعید (حکیم سعید کی برسی پر) انسانی حقوق کا محکمہ فنڈ کی کمی کا شکار ہے وغیرہ۔

مندرجہ بالا موضوعات کی طرح کے بے شمار موضوعات ان کی کالم نگاری میں بکھرے پڑے ہیں۔ کسی بھی موضوع کے مختلف پہلوؤں کو سامنے لانے کا عمل مصنف کے وسیع مطالعہ کا ثبوت ہوتا ہے۔ اگر موضوع قائم کر لیا جائے اور معلومات ناکافی ہوں تو کالم نہیں لکھا جا سکتا۔ ادیب ہو یا کالم نگار اپنے معاشرے تہذیب اور ثقافت کا ترجمان ہوتا ہے جس طرح ادیب لوگوں کے داخلی حالات اور داخلی کشمکش کو منظر عام پر لاتے ہیں اسی طرح معاشرے کے خارجی حالات اور خارجی پہلوؤں کی نقاب کشائی ایک کالم نگار کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ڈاکٹر انور سدید نے یہ نقاب کشائی احسن طریقے سے کی ہے۔

ڈاکٹر انور سدید نے مسلمانوں کے زوال اور اور اس کے بعد پیدا ہونے والی نفسیاتی کشمکش کو بیان کرنے کی کوشش کی اور عروج حاصل کرنے کے لیے قوت، علم اور حکمت عملی کے فقدان کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اسی نفسیاتی کشمکش سے کہیں انتہا پسندی جنم لے رہی ہے اور کہیں بے دینی فروغ پا رہی ہے۔ اسی کشمکش اور اس کے تدارک کے لیے غلط حکمت عملی کی وجہ سے ہم بحیثیت قوم خلفشار کا شکار ہیں۔ قوم کا یہ نفسیاتی پہلو انور سدید کے قلم سے بچ نہیں سکا اور انہوں نے اس موضوع پر اپنا اظہار خیال کیا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید نے بعض کالموں میں مسائل سے ہٹ کر کبھی کبھی اپنے ماضی کی یادوں کو بیان کرنے کی بھی کوشش کی ہے اس سلسلے میں ان کا کالم" اسلامیہ کالج لاہور کی یاد میں" پانچ قسطوں پر مشتمل ہے جس میں وہ اپنے ماضی کا ذکر کرتے ہیں اور زمانہ طالب علمی اور اسلامیہ کالج لاہور کا ذکر انتہائی خوب صورت سے کرتے۔ اپنے اس کالم میں وہ اُس دور کی فضاؤں کی منظر کشی کرتے ہیں اور ایک عملی ماحول کا نقشہ پیش کرتے ہیں۔ اس کالم میں انور سدید کے اسلوب کی بے تکلفی اور شگفتہ بیانی اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں

> سال دوم میں ہمیں ریاضی پروفیسر ظہیر الدین نے پڑھائی جن کا سفید لباس ان کی پہچان تھا۔ اب یہ تو معلوم نہیں کہ آشوب چشم تھا یا نہیں لیکن ہم نے انھیں کالے چشمے کے بغیر کبھی نہیں دیکھا۔ ۱۴

ڈاکٹر انور سدید نے اپنے کالموں میں ملک کی معاشی صورت حال کو بھی موضوع بنایا ہے۔ معیشت زندگی کا سب سے اہم شعبہ ہے۔ جن اقوام کی معیشت مضبوط ہو وہ ترقی کے راستے پر چل پڑتی ہیں اور جو اقوام معاشی طور پر کمزور وہوں وہ ابتری کا شکار ہو جاتی ہیں۔

اقتصادی کالم معاصر اقتصادی صورت حال کے تجزیے اور تبصرے پر مشتمل ہوتا۔ ڈاکٹر انور سدید کوئی بہت بڑے ماہر اقتصادیات نہیں ہیں لیکن پھر بھی ان کے کالم جو قومی بجٹ کے متعلق ہیں ان میں بجٹ پر کافی اچھی بحث ملتی ہے اور غریب عوام کے مسائل کی نشاندہی اور ان کا حل پیش کیا جاتا ہے۔ مالی سال (۰۱۔۲۰۰۰ء) کے بجٹ پر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر انور سدید نے اس بات پر کڑی تنقید کی ہے کہ بجٹ بناتے ہوئے ہم ورلڈ بینک کی پالیسوں کو مد نظر رکھتے ہیں۔ اسی طرح جب کالا باغ کی تعمیر کو دس سال کے لیے ملتوی کیا گیا تو انور سدید نے اس پر نکتہ چینی کی اور اپنے مختلف کالموں میں کالا باغ ڈیم پر تکنیکی اور فنی جائزے پیش کیے، مختلف اعداد و شمار کے ذریعے کالا باغ ڈیم کی تعمیر پر زور دیا اور چھوٹے صوبوں کی محرومی کا حل بھی پیش کیا۔

ڈاکٹر انور سدید کے کالم تمام معاشرتی و سیاسی موضوعات کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ ان کی زبان سادہ، آسان، شگفتہ اور اپنے اندر ادبی رنگ لیے ہوتی ہے۔ ڈاکٹر انور سدید چھوٹے چھوٹے معاشرتی مسائل کے ساتھ بڑے بڑے قومی امراض کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ پاکستانی قوم کو جو تعصب کی بیماری ہے اسکی وجہ سے ملکی وحدت کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ ملک پاکستان میں ہر طرح کا تعصب پایا جاتا ہے جس میں مذہبی، لسانی اور قومی تعصب شامل ہیں۔

ڈاکٹر انور سدید نے لسانی تعصب کو اپنے کالموں کا موضوع بنایا ہے۔ مختلف علاقائی اور صوبائی زبانوں کو تعصب کی حد تک اہمیت دینے کی وجہ سے قومی زبان اُردو کا نقصان ہو رہا ہے اور لسانی تعصب بھی پھیل رہا ہے چنانچہ ڈاکٹر انور سدید نے اس مسئلے کو موضوع بنایا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید کے ایک کالم کا موضوع ہے "پنجابی زبان کے فروغ کے لیے وطن دشمنی کا عمل" ڈاکٹر انور سدید نے مختلف تعلیمی مسائل اور اساتذہ کرام کو بھی اپنے کالموں کا موضوع بنایا ہے۔ مختلف جامعات کے پروفیسر صاحبان کی علمی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا۔ اسی طرح طب کے شعبے کے متعلق بھی کالم لکھے ہیں پاکستان کے سب سے معروف طبیب حکیم سعید جو ہمدرد دواخانہ کے بانی ہیں ان کے متعلق کالم لکھا ہے۔ اسی طرح انہوں نے حکیم عنایت اللہ سوہدروی پر ایک سے زائد کالم لکھے ہیں جن میں ان کی طب کے حوالے سے خدمات کا تذکرہ ملتا ہے۔

ڈاکٹر انور سدید نے اپنے مذہبی کالموں میں نعتیہ شاعری، مختلف نعت خوانوں اور عشق رسولؐ کے متعلق بھی کالم لکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت رسول کریم ﷺ کی اطاعت میں مضمر ہے۔ اللہ کی محبت کا ثبوت یہی ہے کہ بندہ اس کے رسولؐ سے بھی محبت کرے۔ نعت کے متعلق اُردو شاعری کے بڑے بڑے دیوان موجود ہیں۔ نعت لکھنا اور پڑھنا لوگ اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ اسی سلسلے میں مظفر وارثی کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ ڈاکٹر انور سدید نے مظفر وارثی پر کالم لکھ کر ان کی صلاحیتوں اور خوبیوں کو بیان کیا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید نے اپنے ایک کالم ''حمد و نعت اور جدید غزل کا نامور شاعر مظفر وارثی'' میں لکھا ہے۔

> فجر کی اذان کے بعد مظفر وارثی اپنے مخصوص لحن میں نبی آخر الزمان محمد مصطفیٰؐ کی عظمت کا اعتراف اپنی نعت کے وسیلے سے کرتے اور اُن کی یہ آواز ہر گھر میں سنی جاتی ''مرا پیغمبرؐ عظیم تر ہے''۔۔۔۔ ان کی نعت نگاری نے ان کی غزل کو پس منظر میں دھکیل دیا۔ اُن کی نعت کو قبول عام حاصل ہوا جس میں ان کے جذبے کی روانی اور عقیدے کی فروانی کے ساتھ ساتھ ان کا ترنم بھی شامل تھا۔۔۔۔ وہ نعت کو اپنی عقیدت کے والہانہ اظہار کا وسیلہ سمجھتے تھے اور اس کے ابلاغ عامہ کے لیے ہمیشہ آسان الفاظ کا انتخاب کرتے تھے۔ ۱۵

نعت کا شمار قصیدے کی اصناف میں ہوتا ہے لیکن اس کے اظہار کی حدیں قصیدے کی حدوں سے مختلف ہیں۔ اولاً یہ کہ نعت میں صرف نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کی ذات مطہرہ کی سیرت اور عمل، شخصیت و کردار اور ارشادات کا ذکر جمیل عقیدت سے کیا جاتا ہے۔ ثانیاً اس میں حضورؐ کی مدح و ثناء اعلائے ذکر حق، انسانیت عامہ پر احسانات کریمہ کا ذکر اساسی طور پر شامل ہے اور نعت نگاری محض شاعری نہیں یہ مسلمانوں کے لئے توشہ ء آخرت بھی ہے۔ ڈاکٹر انور سدید مشہور نعت نگار راز کاشمیری کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ اپنے ایک کالم جس کا عنوان ''نعتیہ'' شاعری کا گل ہزار برگ راز کاشمیری'' ہے اس کالم میں لکھتے ہیں

> جناب راز کاشمیری نے نہ صرف خود نعتیں لکھیں بلکہ بیسویں صدی کے آخر میں نعت نگاری کو اُردو ادب کی ایک مقدس تحریک بنانے کی کوشش بھی کی۔ ان کی یہ کاوش استحسان کی نظر سے دیکھی جائے گی کہ انہوں نے ''ﷺ'' کی ردیف میں اُردوئے قدیم کے دور سے لے کر زمانہ جدید تک لکھی جانے والی نعتوں کو تحقیق و جستجو سے جمع کرنے کی کاوش کی اور محض اس جمع آوری پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے دور کے اُردو شعرا کو مائل کیا کہ وہ اس ردیف کو پیش نظر رکھ کر نئی نعتیں لکھیں اس کاوش کا حسین ترین ثمر

وہ مجموعہ نعت ہے جو سیرت مشن پاکستان نے ''صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے خوب صورت و مقدس نام سے دلکش انداز میں شائع کیا تھا۔۱۶

نواز رومانی نے جب ''عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے عنوان سے کتاب لکھی تو ڈاکٹر انور سدید نے روزنامہ ''نوائے وقت'' میں اس کتاب پر کالم لکھا اور فلسفہ ءعشقِ رسول کریمؐ پر روشنی ڈالی اور کتاب کا پورا تعارف پیش کیا۔ اپنی والہانہ وابستگی کے ساتھ کتاب کو اس طرح متعارف کروایا کہ قاری کو کتاب خریدنے کی بے ساختہ ترغیب ملتی ہے۔ ڈاکٹر انور سدید کے متفرق موضوعات میں کچھ ایسے موضوعات بھی مل جاتے ہیں جن میں انہوں نے مختلف خیراتی اداروں، ٹرسٹ سکولوں اور فلاحی تنظیموں کا ذکر کیا ہے جو عوام کی خدمت کے لیے ہمہ تن کوشاں رہتے ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید اپنے کالموں کے ذریعے بھلائی کی ان قوتوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید نے اپنے ایک کالم ''خدمتِ خلق'' کے چند نادار ادارے'' شوکت خانم کینسر ہسپتال اور ایک ٹرسٹ سکول کا ذکر کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ ایک کلینک ''کسٹمز ویلفیئر کلینک'' کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ یہ کلینک اقبال ٹاون لاہور کے ستلج بلاک میں محکمہ کسٹمز کی کالونی میں نورانی مسجد کے قریب واقع ہے۔ ڈاکٹر انور سدید نے اپنے کالم میں اس کلینک میں کام کرنے والے تمام ڈاکٹروں کا تعارف پیش کرتے ہیں اور علاج کا طریقہ کار بھی بتاتے اس سے غریب اور متوسط طبقے کے لوگوں کی راہنمائی ہوتی ہے۔

ڈاکٹر انور سدید نے کچھ کالم ''دجال'' کے فتنے کے متعلق بھی لکھے ہیں اور اپنے کچھ کالموں میں کشمیری مجاہدین کو بھی موضوع بنایا ہے۔ الغرض ہمیں ڈاکٹر انور سدید کے ہاں ہر شعبہ ہائے زندگی سے متعلق کالم مل جاتے ہے۔ ان کے کالم ایک ایسی قوس قزح ہیں جس میں، ادب، سیاست، صحافت، تہذیب اور معاشرت کے سارے رنگ جھلکتے ہیں۔ کالم نگاری کے دوران وہ نہ ادب سے غافل ہوئے اور نہ اپنے پیشے سے یہ ان کی ہمہ جہت شخصیت کا ثبوت ہے۔ اس مقالے کا دائرہ کار ''نوائے وقت''، ''فیملی میگزین'' اور ''ندائے ملت'' تک محدود ہے ورنہ ڈاکٹر انور سدید کے کالم تو بے شمار اخبارات اور رسائل میں بکھرے پڑے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ سجاد نقوی، پروفیسر، ڈاکٹر انور سدید: شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات پاکستان، H-8/1، اسلام آباد، ۲۰۱۰، ص ۳۸۸

۲۔ ایضاً ص ۳۸۹

۳۔ انور سدید، ڈاکٹر، حمید نظامی اُردو صحافت کا بطل جلیل، (کالم بعنوان: گفتنی) مطبوعہ: روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۳مارچ ۲۰۰۲ء، ص نمبر ۱۴

۴۔ انور سدید، ڈاکٹر، حمید نظامی کے کالم (پہلی قسط)، (کالم بعنوان: گفتنی) مطبوعہ: روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۲۷مارچ ۲۰۰۶ء، ص نمبر ۱۴

۵۔ انور سدید، ڈاکٹر، نوائے وقت کی نئی ادبی جہت، (کالم بعنوان: گفتنی) مطبوعہ: روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۶مارچ ۲۰۰۶ء، ص نمبر ۱۴

۶۔ انور سدید، ڈاکٹر، حمید نظامی کی صحافتی جرات مندی، (کالم بعنوان: گفتنی) مطبوعہ: روزنامہ نوائے وقت، لاہور ۲۷فروری ۲۰۰۰ء، ص نمبر ۱۴

۷۔ انور سدید، ڈاکٹر، مولانا ظفر علی خان قومی سیاست کی شمع تابان، (کالم بعنوان: گفتنی) مطبوعہ: ہفت روز ندائے ملت، لاہور، ۲۶دسمبر تک یکم جنوری ۲۰۱۴ء، ص ۴۸

۸۔ ایضاً، ص ۴۸

۹۔ ایضاً، ص ۴۸

۱۰۔ انور سدید، ڈاکٹر، مولانا صلاح الدین احمد کی بازیافت، (کالم بعنوان: گفتنی) مطبوعہ: روزنامہ نوائے وقت، لاہور ۱۳فروری ۲۰۰۱ء، ص ۱۳

۱۱۔ انور سدید، ڈاکٹر، زیڈ اے سلہری صحافت کی زندہ آواز، (کالم بعنوان: گفتنی) مطبوبہ: روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۲مئی ۲۰۰۰ء، ص ۱۳

۱۲۔ انور سدید، ڈاکٹر، چند آنسو طلعت قریشی کے لیے، (کالم بعنوان: گفتنی) مطبوعہ: روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۱۷اکتوبر ۲۰۰۰ء، ص ۱۴۰

۱۳۔ انور سدید، ڈاکٹر، وہ جہاں میں صورت خورشید تابندہ رہے، (کالم بعنوان: گفتنی) مطبوعہ: روزنامہ

نوائے وقت، لاہور، ۷ جون ۲۰۰۲ء، ص ۱۴

۱۴۔ انور سدید، ڈاکٹر، اسلامیہ کالج لاہور کی یاد میں، (کالم بعنوان: ادب در ادب) مطبوعہ: ہفت روزہ ندائے ملت، لاہور یکم مئی تا ۷ مئی ۲۰۱۴، ص ۴۶

۱۵۔ انور سدید، ڈاکٹر، حمد و نعت اور جدید غزل کا شاعر مظفر وارثی، (کالم بعنوان: ادب در ادب) مطبوعہ: ہفت روزہ ندائے ملت، لاہور، ۱۰ تا ۱۶ مارچ ۲۰۱۱، ص ۴۶

۱۶۔ انور سدید، ڈاکٹر، نعتیہ شاعری کا گل ہزار برگ راز کاشمیری (کالم بعنوان: ادب در ادب) مطبوعہ: ہفت روزہ ندائے ملت، لاہور، ۱۹ مارچ ۲۰۱۴ء ص ۴۶

باب پنجم

مجموعی جائزہ

الف۔ ماحصل

اس تحقیقی مقالے میں ڈاکٹر انور سدید کی کالم نگاری کا موضوعاتی جائزہ لیا گیا ہے۔ دورانِ تحقیق چند اہم سوالات کے جوابات تلاش کیے گئے ہیں۔ سوالات یہ ہیں۔

ا۔ ڈاکٹر انور سدید کے کالموں کے موضوعات کی نوعیت کیا ہے؟

۲۔ ڈاکٹر انور سدید کے کالم ان کے عہد کے سیاسی رجحانات کی کس حد تک ترجمانی کرتے ہیں۔

۳۔ ڈاکٹر انور سدید کے کالم ان کے عہد کے ادبی رجحانات کی کس حد تک ترجمانی کرتے ہیں۔

ان سوالات پر غور کرنے اور ان کا تسلی بخش جواب تلاش کرنے کی غرض سے سب سے پہلے کالم کے بارے میں مختلف موضوعات کو زیر بحث لایا گیا اور کالم کی جامع تعریف تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کالم کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم تلاش کیے گئے ہیں چنانچہ اس سلسلے میں مختلف لغات کا جائزہ لیا گیا ہے اور بڑے بڑے کالم نگاروں اور ماہرین نے کالم کی جو تعریفیں کی ہیں وہ جمع کی گئی ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں جو بات خصوصی طور پر سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ کالم کی دیگر خصوصیات کے علاوہ ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ کالم ہمیشہ تازہ واقعات پر لکھا جاتا ہے اور کالم ہمیشہ ایک شگفتہ تحریر ہوتی ہے۔ کالم کے لغوی معنی کم و بیش تمام لغات نے ایک جیسے ہی بیان کیے ہیں اصطلاحی معانی بھی مختلف ماہرین کی آراء کی روشنی میں یہی اخذ کیے گئے ہیں کہ کسی بھی اخبار یا رسالے میں مستقل عنوان سے باقاعدگی کے ساتھ شائع ہونے والی تحریر کو کالم کہتے ہیں۔ کالم کی تعریف کے بعد اس کی مختلف اقسام بیان کی گئیں ہیں۔ کالم کی اقسام کو مختصراً بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ مقالے کی ضخامت متاثر نہ ہو اور بات زیادہ طویل نہ ہو جائے۔

کالم کی تعریف اور اقسام بیان کرنے کے بعد پاکستان میں اُردو کالم نگاری کی روایت کا جائزہ لیا گیا ہے۔ چنانچہ پاکستان میں اُردو کالم نگاری کی روایت کو بیان کرنے کے لیے کالم نگاری کی روایت کو چھ ادوار میں تقسیم کر کے ہر دور کا علیحدہ سے جائزہ لیا گیا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ہر دور کے سیاسی، سماجی اور معاشرتی حالات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ کسی بھی دور میں ہونے والی بڑی بڑی سیاسی تبدیلیوں، مارشل لاء کی تاریخ، انتخابات، سیاست دانوں کی ایک دوسرے کے خلاف ہونے والی سازشوں، مقدمات، سزاؤں اور ہر دور میں صحافت کی صورت

حال اور اس کے ساتھ ساتھ تحریر و تقریر پر لگنے والی پابندیوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ کالم نگاری کی ادواری تقسیم اس طرح سے کی گئی ہے کہ ہر دور میں پاکستان میں ہونے والی بڑی سیاسی تبدیلیوں پر مشتمل ہے اور ان ادوار کا تذکرہ سیاسی، سماجی، معاشی اور صحافتی تناظر میں کیا گیا ہے۔

پاکستان میں اُردو کالم نگاری کے ادواری مطالعے میں ہر دور کے مشہور کالم نگاروں کے کالموں کا ذکر کیا گیا ہے اور اس بات کا جائزہ لیا گیا ہے کہ کون سا کالم نگار کس اخبار میں کس عنوان کے تحت کالم لکھتا رہا ہے۔ مختلف کالم نگاروں کو اپنے اپنے دور میں کن مشکلات کا سامنا رہا ہے۔ اس بات کا جائزہ بھی لیا گیا ہے کہ کون سا کالم نگار عوام میں زیادہ مقبول رہا ہے اور سیاسی، سماجی اور معاشی حالات کی کس حد تک ترجمانی کرتا رہا ہے۔ اگر صحافت آزاد ہو تو کالم نگار آزادی سے لکھتا ہے اور اگر صحافت پابند ہو تو وہ علامت کا سہارا لے کر لکھتا ہے اور اشاروں کنایوں میں اپنی بات عوام الناس تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔

پاکستان میں اُردو کالم نگاری کا ادواری مطالعہ جو ۱۹۴۷ء سے لے کر ۲۰۱۶ء تک کے عرصے پر محیط ہے۔ حقیقت میں یہی عہد سدید بھی ہے۔ پاکستان میں اُردو کالم نگاری کی روایت کا مطالعہ دراصل عہد سدید میں کالم نگاری کی روایت کا مطالعہ ہے۔ چنانچہ اس مطالعے کے پیش نظر یہی مقصد تھا کہ عہد سدید میں کالم نگاری کی پوری تصویر سامنے لائی جاسکے۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ کالم نگاروں کا تذکرہ کرتے وقت بے شمار ایسے نام ہوں گے جن کا ذکر احاطہ تحریر میں نہیں آسکا کیونکہ ہر ایک کالم نگار کا ذکر کرنا ممکن نہیں تھا۔

پاکستان میں اُردو کالم نگاری کی روایت کا جائزہ پیش کرنے کے بعد تحقیق کا رخ اس مقالے کے اصل عنوان کی طرف موڑا گیا ہے۔ سب سے پہلے ڈاکٹر انور سدید کا تعارف پیش کیا گیا ہے اور ان کی تاریخ پیدائش، تاریخ وفات اور خاندانی پسِ منظر کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں جو بھی حقائق سامنے آئے ہیں ان کو بیاں کر دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید کے ذاتی کوائف بیان کئے گئے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ڈاکٹر انور سدید ۴ دسمبر ۱۹۲۸ء کو سرگودھا کے ایک قصبے میانی میں پیدا ہوئے اور ۲۰ مارچ ۱۹۲۸ء کو وفات پا گئے۔ ڈاکٹر انور سدید راجپوت خاندان سے تعلق رکھتے تھے ان کا خاندان کشمیر سے ہجرت کر کے میانی میں آکر آباد ہوا تھا اور پھر میانی سے سرگودھا منتقل ہو گیا۔

ڈاکٹر انور سدید کے خاندانی پس منظر کے بعد ان کی تعلیمی زندگی کے مختلف مراحل کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ان کی پرائمری سے لے کر پی ایچ ڈی تک کی تعلیم کا جائزہ لیا گیا ہے اور ان کے مختلف تعلیمی نشیب و فراز کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کی تعلیمی کارکردگی اور مختلف امتحانات میں ان کی شاندار کارکردگی کو سامنے لایا گیا ہے۔

چنانچہ اس ضمن میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ ڈاکٹر انور سدید نے پرائمری سے لے کر میٹرک تک تمام امتحانات بدرجہ اول پاس کیے ہیں اور ایم اے میں بھی انہوں نے طلائی تمغہ اور مولوی عبد الحق ایوارڈ اپنے نام کیا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید کی تعلیمی کارکردگی کے مطالعے سے یہ بات خصوصی طور پر سامنے آئی ہے کہ انہوں نے ٹیکنکل تعلیم باقاعدگی سے حاصل کی ہے اور اسی تعلیم پر ان کو محکمہ آبپاشی میں ملازمت ملی ہے۔ ادب اور ادبی تعلیم ان کا ذاتی شوق رہا ہے۔ اُن کا رجحان ہمیشہ ادب کی طرف رہا ہے اور ان کے شوق کو ڈاکٹر وزیر آغا کی صحبت نے جلا بخشی ہے۔ انہوں نے نہ صرف فنی تعلیم کے تمام مدراج طے کیے ہیں بلکہ اُردو ادب میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔ انہوں نے ''اُردو ادب کی تحریکیں'' کے عنوان سے پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا ہے۔

ڈاکٹر انور سدید کی زندگی کے مختلف تعلیمی مراحل کا جائزہ لینے کے بعد ان کی عملی زندگی اور ملازمت کے بارے میں معلومات اکٹھی کی گئیں ہیں چنانچہ اس مطالعہ کے دوران یہ بات سامنے آئی ہے کہ انہوں نے ایک بھرپور پیشہ ورانہ زندگی گزاری ہے اور وہ محکمہ آبپاشی سے گریڈ ۱۹ میں ریٹائر ہوئے ہیں۔ وہ میٹرک کر کے محکمہ ء آبپاشی میں ایک کلرک کے طور پر بھرتی ہوئے اور پھر اپنی تعلیم جاری رکھتے ہوئے انہوں نے سول انجینئر نگ کا امتحان بدرجہ اول پاس کیا اور کلرک کے عہدے سے ترقی پا کر اوورسیئر بن گئے اپنی ملازمت کے دوران انہوں نے AMIE کا امتحان پاس کیا بڑے بڑے پراجیکٹس پر کام کیا جن میں بی آر بی لنک، وارسک ڈیم، تھل کینال مرالہ، قائد آباد پاور ہاوس اور سمندری ڈرینج پراجیکٹ شامل ہیں۔

ڈاکٹر انور سدید کی عملی زندگی کے جائزے کے بعد ان کی ادبی زندگی کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اُن کی زندگی کے ادبی جائزے میں ان کی مختلف کتابوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی ادبی صحافت کا جائزہ لیا گیا ہے اور دیکھا گیا ہے وہ کن کن ادبی رسائل کے مدیر رہے ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید کی زندگی کے ادبی جائزے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ڈاکٹر انور سدید نے ہر صنف ادب پر لکھا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید شاعر انشائیہ نگار، کالم نگار، افسانہ نگار، نقاد، محقق اور تبصرہ نگار بھی ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں مثال کے طور پر ان کی مختلف کتابوں کا تذکرہ کیا گیا ہے اور یہ بات سامنے آئی ہے کہ وہ ۸۷ سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں۔

ڈاکٹر انور سدید کی ادبی زندگی کے بعد اُن کی کالم نگاری کا اجمالی جائزہ پیش کیا گیا ہے اور اس بات کا پتہ لگانے کی کوشش کی گئی ہے کہ انہوں نے کن اخبارات اور رسائل میں اپنے کالم لکھے ہیں اور ان کے کالموں کے مختلف عنوانات کیا تھے اور ان کا کون سا کالم کتنے عرصے تک جاری رہا چنانچہ اس سلسلے میں ان کی کالم نگاری کی ابتداء سے متعلق تحقیق کی گئی ہے۔ جس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ انہوں نے اپنی صحافتی زندگی کا آغاز

روزنامہ ''حریت'' میں ''سدیدیات'' کے عنوان سے کالم لکھ کر کیا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے روزنامہ ''نوائے وقت''، ''جسارت'' اور ''خبریں'' میں کالم نگاری کے جوہر دکھائے ہیں۔ رسائل میں سے ''ندائے ملت'' اور ''فیملی میگزین'' میں بھی انہوں نے کالم لکھے ہیں۔ اس جائزے میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ انہوں نے نہ صرف اُردو میں کالم نگاری کی بلکہ وہ انگریزی زبان میں بھی کالم لکھتے رہے ہیں۔

ڈاکٹر انور سدید کی عملی اور ادبی زندگی اور ان کی کالم نگاری کے جائزے کے بعد تحقیق کا رخ ان کے موضوعات کی طرف موڑا گیا۔ چونکہ انہوں نے مختلف اخبارات و رسائل میں اپنی کالم نگاری کے جوہر دکھائے ہیں اور ان کے تمام کالموں کا احاطہ کرنا ممکن نہیں تھا چنانچہ اس سلسلے میں مقالے کے دائرہ کار کو محدود کر کے اُن کے اُن کالموں کے موضوعات کا جائزہ لیا گیا ہے جو روزنامہ ''نوائے وقت'' میں گفتنی، ہفت روزہ ''ندائے ملت'' میں ''ادب در ادب'' اور ہفت روزہ ''فیملی'' ''میگزین میں ''قومی سیاست'' کے عنوان سے شائع ہوتے رہے ہیں۔

ڈاکٹر انور سدید کی کالم نگاری کے موضوعات کا جائزہ لیتے ہوئے سب سے پہلے اُن کی کالم نگاری کی سیاسی موضوعات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ان کے کالموں میں سیاسی نوعیت کے موضوعات کو تلاش کیا گیا ہے اور ان کے کالموں میں روح عصر کو تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس تحقیق کے دوران یہ مقصد پیش نظر رہا ہے کہ کیا ان کے کالم ان کے عہد کے سیاسی حالات کی عکاسی کرتے ہیں یا نہیں؟ چنانچہ اس مقصد کے لیے ان کی کالم نگاری کے سیاسی موضوعات بیان کرنے سے پہلے ان کے عہد کا سیاسی منظر نامہ بیان کیا گیا ہے تاکہ ان کے موضوعات کو ان کے عہد کے سیاسی حالات کے تناظر میں دیکھا جائے۔ اُن کے عہد کے سیاسی منظر نامے میں ۱۹۴۷ء لے کر ۲۰۱۶ء تک کے تمام سیاسی حالات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ملک میں ہونے والی تمام سیاسی تبدیلیوں، جمہوریت اور آمریت کی آنکھ مچولی، عام انتخابات اور ان کے نتیجے میں قائم ہونے والی حکومتوں اور ملک میں رونما ہونے والے تمام اہم واقعات کو بیان کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں نہ صرف ملکی بلکہ عالمی منظر نامے پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور عالمی سطح پر ہونے والی اہم تبدیلیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں یہ حقائق سامنے آئے ہیں کہ پاکستان کی تاریخ شروع دن سے ہی ہنگامہ خیز رہی ہے۔ پاکستان ہر دور میں نازک حالات سے گزرتا رہا ہے۔ پاکستان کے وجود کو پہلے برس سے ہی خطرات لاحق رہے ہیں۔ پاکستان کی سیاسی تاریخ میں بہت کم وقفے ایسے آئے ہیں جن میں ملک خداداد کو سیاسی استحکام حاصل ہوا۔ پاکستانی سیاست میں ہونے والی سازشوں کے نتیجے میں یہ ملک دولخت ہو گیا اور اس کے معاشی حالات بھی انتہائی خراب رہے ہیں۔ ملک پر تین بڑی جنگیں مسلط کی

گئیں ہیں اس جائزے میں یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ ملک پاکستان عالمی اتحاد کا حصہ بن کر شدید دہشت گردی کا شکار رہا ہے اور دو ہمسایہ ملکوں کی چکی میں پس رہا ہے۔اس سیاسی منظر نامے کو اس لئے بیان کیا گیا کہ کوئی بھی کالم نگار معاشرے میں ہونے والی تبدیلیوں سے براہ راست متاثر ہوتا ہے اور اپنے معاشرے میں بکھرے ہوئے واقعات کو موضوعات بناتا ہے۔

عہد سدید کا سیاسی منظر نامہ بیان کرنے کے بعد تحقیق کا رخ ڈاکٹر انور سدید کے کالموں کے سیاسی موضوعات کی طرف موڑا گیا ہے اور یہ جاننے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان کے کالموں میں سیاسی موضوعات کون کون سے ہیں اور انہوں سے کس حد تک اپنے دور کے سیاسی حالات و مسائل کی نشاندہی کی ہے۔ڈاکٹر انور سدید کی کالم نگاری کا جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ انہوں نے روزنامہ ‘‘نوائے وقت’’ میں گفتنی کے عنوان سے اور فیملی میگزین میں ‘‘قومی سیاست’’ کے عنوان سے سیاسی کالم لکھے ہیں ان دو عنوانات کے تحت انہوں نے مختلف سیاسی موضوعات پر کالم لکھے ہیں۔

ڈاکٹر انور سدید کی کالم نگاری کے موضوعات کو مزید دو حصوں میں رکھ کر بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ چنانچہ پہلے حصے میں ان کے اُن کالموں کا جائزہ لیا گیا ہے جن میں قومی سیاست پر مبنی موضوعات ہیں اور دوسرے حصے میں ان کالموں کا جائزہ لیا گیا ہے جن میں انہوں نے عالمی موضوعات پر قلم اُٹھایا ہے۔ قومی سیاست پر مبنی موضوعات کا جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اُن کے موضوعات متنوع حیثیت کے ہیں اور انہوں نے اپنے موضوعات میں قومی سیاست کے تمام بڑے اور چھوٹے واقعات کا احاطہ کیا ہے۔ ان موضوعات میں انہوں نے ملک میں ہونے والی سیاسی تبدیلیوں کا ذکر کیا ہے اور ملکی سیاست میں ہونے والے مختلف اتار چڑھاؤ جن میں جمہوریت اور آمریت کی لڑائی، حکومتوں کو بننا اور ٹوٹ جانا، سیاست دانوں کی آپس کی لڑائیاں اور مختلف سیاسی شخصیات کو اپنے کالموں کو موضوع بنایا ہے۔ سیاسی کالم کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ یہ حکومتی کارکردگی کو بھی زیر بحث لاتا ہے جب حکومتی اہلکار، نوکر شاہی اور وزراءاچھی کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کر پاتے۔رشوت و بدعنوانی کا دور دورہ ہوتا ہے تو کالم نگار ان مسائل کی نشاندہی کرتے ہیں اور حکومت کی اس نااہلی اور بدعنوانی کو بے نقاب کرتے ہیں۔ڈاکٹر انور سدید نے بھی اپنے موضوعات سے یہی کام لیا ہے۔

ڈاکٹر انور سدید کی کالم نگاری کے سیاسی موضوعات کے دوسرے حصے میں ان کے عالمی سیاست پر مبنی موضوعات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ چنانچہ ان کی عالمی سیاست کے موضوع پر لکھے گئے کالم عالمی سیاست کا احاطہ کیے ہوئے ہیں انہوں نے اپنے کالموں میں عالمی سیاست کے مہروں کو بے نقاب کیا ہے۔ان کے موضوعات عالمی

طاقتوں کے گٹھ جوڑ، امریکہ کی دوغلی پالیسی، غریب ممالک میں امریکہ کی دراندازی، اسلحہ کی اسمگلنگ کا احاطہ کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے کالموں کے ذریعے امریکہ کے نیوورلڈ آرڈر کی دھجیاں بکھیر کر دکھ دی ہیں جس کی مدد سے امریکہ نے پوری دینا کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ انہوں نے عالمی مسائل پر کھل کر بات کی ہے۔ ان کے موضوعات میں عراق امریکہ جنگ یعنی خلیج کی جنگ، انڈیا امریکہ اور اسرائیل کا گٹھ جوڑ، روس کی چیچنیا میں مداخلت، صومالیہ کی صورت حال اور افغان جنگ کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر انور سدید نے اپنے کالموں میں ایسے موضوعات قائم کیے ہیں جس سے امریکہ کی دہشت گردی کے خلاف جنگ اور اس کی منافقت پر ایک واضح نقطہ نظر ملتا ہے۔ انہوں نے اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ امریکہ جنوبی ایشیا کا امن تباہ کرنے افغانستان آیا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ امریکہ افغان جنگ کے بعد ہمارا ملک پاکستان بدترین دہشت گردی کا شکار رہا ہے۔ اس دہشت گردی کی پیشگوئی انور سدید نے بہت پہلے اپنے کالموں میں کر دی تھی چنانچہ اس تناظر میں ہم کہہ سکتے ہیں انور سدید نے نہ صرف عالمی سیاست کے اتار چڑھاؤ بیان کیے ہیں بلکہ مختلف مسائل کی تشخیص بھی کی ہے اور ان مسائل سے نبرد آزما ہونے کے لیے حکمت عملی اپنانے پر زور دیا ہے۔ انہوں نے عالمی سطح پر رونما ہونے والی تبدیلیوں کو اپنے کالموں کا موضوع بنایا ہے۔ اگر ان کی سیاسی کالم نگاری کے موضوعات کا جائزہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ انہوں نے حالات کی درست عکاسی کی ہے اور مختلف سیاسی تبدیلیوں کے محرکات اور اسباب درست طور پر بیان کیے ہیں۔

ڈاکٹر انور سدید کی کالم نگاری کے سیاسی موضوعات کا جائزہ لینے کے بعد تحقیق کا رخ ان کی ادبی کالم نگاری کی طرف موڑا گیا ہے۔ ان کی ادبی کالم نگاری کے موضوعات سے پہلے ان کے دور کے ادبی منظر نامہ پر ایک نگاہ ڈالی گئی ہے تاکہ ان کے موضوعات کو ان کے عہد کے ادبی منظر نامے کے تناظر میں دیکھا جاسکے۔ ان کے عہد کے ادبی منظر نامے میں ادبی سطح پر ہونے والی مختلف تحریکوں، ادبی گروہ بندی، نئے ادبی رجحانات اور مختلف ادبی شخصیات اور دنیائے ادب پر ان کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

اس منظر نامے میں ترقی پسند تحریک، حلقہ ارباب ذوق، مزاحمتی ادب، نئی لسانی، تشکیلات علامتی ادب یا ادب میں علامت کا سہارا اور اس طرح کے دیگر موضوعات کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاہ نئی شعری اصناف، ہائیکو اور نثری نظم پر بات کی گئی ہے۔ معاشرے میں بڑھتی ہو غنڈہ گردی، دہشت گردی اور کلاشنکوف کلچر کے ادب پر کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں ان سب کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس بات کا پتہ لگانے کی کوشش کی گئی ہے ملکی حالات نے ادب کے لئے کون سی نئی راہیں متعین کی ہیں اور ادب کن نشیب و فراز سے گزرا ہے۔

ڈاکٹر انور سدید کے عہد کے ادبی منظر نامے کے بعد ان کی ادبی کالم نگاری کے موضوعات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ چنانچہ ان کے کالموں کے ادبی موضوعات کا جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ انہوں نے مختلف ادبی کتب اور رسائل اور مختلف ادبی شخصیات کو اپنے کالموں کا موضوع بتایا ہے۔ اس ضمن میں ان کے ادبی کالم ''ادب در ادب'' جو ہفت روزہ ''ندائے ملت'' میں چھپتا ہے مد نظر رکھا گیا ہے۔ اور ان کے موضوعات کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے پہلے حصے میں ان کے کالموں میں ایسے موضوعات تلاش کیے گئے ہیں جو مختلف ادبی کتب اور رسائل وغیرہ سے متعلق ہیں۔ ان کے ایسے موضوعات جو ادبی کتب اور رسائل سے متعلق ہیں کو دیکھ کر یہ بات سامنے آتی ہے کہ انہوں نے اپنے دور میں شائع ہونے والی تمام اہم کتب پر بحث کی ہے اور مختلف رسائل پر بات کر کے اُردو ادب کے قارئین کو کتب بینی کی ترغیب دینے کی کوشش کی ہے۔ اور کتابوں پر تبصرہ کر کے تنقید کا حق بھی ادا کیا ہے۔ انہوں نے آپ بیتی، افسانہ، ناول، شاعری ہر صنف پر کالم لکھے ہیں۔

ڈاکٹر انور سدید کے ادبی کالم نگاری کے موضوعات کے دوسرے حصے میں اُن کے کالموں کے اُن موضوعات کا جائزہ لیا گیا ہے جن میں مختلف ادبی شخصیات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس ضمن میں ایک انتہائی دلچسپ بات یہ سامنے آئی ہے کہ ان کے عہد میں جب بھی کوئی ادیب فوت ہو جاتا تو وہ اُس پر تعزیتی کالم ضرور لکھتے تھے۔ ان کے مرحوم ادیبوں پر لکھے گئے کالموں کے دو مجموعے بھی منظر عام پر آ چکے ہیں۔ ان کالموں کے ذریعے وہ مرحوم ادیبوں کے خاکے بھی کھینچ لیتے اور ان کی ادبی خدمات کو خراج تحسین بھی پیش کرتے ہیں دوران تحقیق یہ بات سامنے آئی ہے کہ انہوں نے ان کالموں میں ایسے ایسے واقعات کا ذکر کیا ہے جو عام قاری تک کبھی نہ پہنچ سکتے۔ مرحوم ادیبوں کے علاوہ انہوں نے زندہ شخصیات پر بھی کالم لکھ کر ان کے ادبی قد کی پیمائش کرنے کی کوشش کی ہے۔

ان کے ادبی شخصیات پر لکھے گئے کالموں کے موضوعات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اُنہوں نے نہ صرف مشہور ادیبوں پر کالم لکھے ہیں بلکہ ان ادیبوں پر بھی کالم لکھے ہیں جن کو دنیائے ادب فراموش کر چکی تھی یا وہ منظر عام پر ہی نہیں آئے تھے چنانچہ انور سدید نے اپنے کالموں کے ذریعے ان کی دریافت نو کی ہے۔ انور سدید کی کالم نگاری کے ادبی موضوعات سے ان کے دور کی ادبی صورت حال کی پوری جھلک سامنے آجاتی ہے۔ انہوں نے اپنے دور کی ادبی صورت حال کی اچھی عکاسی کی ہے۔

ڈاکٹر انور سدید کی کالم نگاری کو سیاسی اور ادبی موضوعات تک محدود نہیں رکھا گیا چونکہ ان کے کالموں میں زندگی کے دوسرے شعبوں اور معاشرتی مسائل پر بھی بات کی گئی ہے اور ایسے بے شمار موضوعات ہیں جو

ادب اور سیاست سے ہٹ کر دیگر نوعیت کے ہیں۔ ان موضوعات میں سے زیادہ تر صحافت پر مبنی موضوعات ہیں اور کچھ ملکی اور معاشرتی مسائل پر ہیں۔ چنانچہ ان موضوعات کا بھی دو حصوں میں جائزہ لیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں صحافت اور صحافتی شخصیات پر مبنی موضوعات کو متفرق موضوعات کے نام سے بیان کیا گیا ہے۔ انور سدید کی کالم نگاری کے موضوعاتی مطالعے کے اس حصے میں صحافتی اشخاص، صحافتی اصول، فن صحافت، ادبی صحافت اور مختلف صحافتی امور پر مبنی موضوعات کو تلاش کیا گیا ہے۔ اس سے یہ پتہ چلا کہ ڈاکٹر انور سدید نے اپنے ان کالموں میں حمید نظامی، مجید نظامی، زیڈ اے سلہری، روزنامہ نوائے وقت، روزنامہ ''زمیندار'' اور اس طرح کے دیگر موضوعات پر قلم اُٹھایا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید کی کالم نگاری کے متفرق موضوعات کے جائزے کے دوسرے حصے میں ان موضوعات کو تلاش کیا گیا ہے۔ اُن میں ملکی مسائل جن میں کرپشن، رشوت، بد عنوانی ملکی آبی مسائل، مسئلہ کشمیر، ناخواندگی اور مختلف طرح کے زرعی مسائل جیسے موضوعات شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے نعت خوانی، نعتیہ شاعری اور عشق رسولؐ جیسے موضوعات پر بھی کالم لکھے ہیں۔

چنانچہ اس ساری بحث اور تحقیق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ڈاکٹر انور سدید کی کالم نگاری کے موضوعات اپنے دور کی سیاسی، ادبی اور معاشرتی صورت حال کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ اُن کے کالموں میں ان کا عہد زندہ دکھائی دیتا ہے۔ ان کے موضوعات میں ان کا عہد اپنی تمام تر خرابیوں اور خامیوں کے ساتھ موجود ہے۔ ان کے کالموں کے موضوعاتی جائزے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اُن کے کالم ایک کہکشاں کی مانند ہیں جس میں زندگی کے تمام شعبے ستاروں کی طرح جگمگ کر رہے ہیں۔ ان کے کالموں میں سیاست، ادب اور معاشرت کے سارے رنگ بکھرے ہوئے ہیں جو ان کی ہمہ جہت شخصیت کا ثبوت ہیں۔

ب۔ نتائج

- کسی مستقل عنوان کے تحت اخبار میں شائع ہونے والی تحریر کو کالم کہتے ہیں عموماً یہ تحریر تازہ واقعات اور حالات پر مبنی ہوتی ہے۔
- کالم میں کسی بھی خبر یا واقعہ کے پیچھے چھپے ہوئے محرکات اور اسباب کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

- ڈاکٹر انور سدید کے کالم ان کے عہد کے سیاسی منظر نامے کو سمجھنے کے لئے مدد دیتے ہیں انہوں نے اپنی سیاسی کالم نگاری میں اپنے دور کے اہم سیاسی واقعات قومی اور عالمی سیاست اور مختلف سیاسی شخصیات کو اپنے کالموں کا موضوع بنایا ہے۔
- سیاسی کالم نگاری کے ساتھ ساتھ انہوں نے ادبی کالم نگاری بھی کی ہے اور ان کے ادبی کالم ان کے عہد کے ادبی منظر نامے کو سامنے لاتے ہیں انہوں نے اپنے عہد کی تمام ادبی شخصیات، اہم کتب اور رسائل کو اپنے کالموں کا موضوع بنایا ہے۔
- سیاسی اور ادبی کالم نگاری کے ساتھ ساتھ انہوں نے دیگر موضوعات پر بھی کالم لکھے ہیں جو ان کی ہمہ جہت شخصیت اور وسیع مطالعے کا ثبوت ہیں۔ سیاسی اور ادبی مسائل کے علاوہ دیگر ملکی اور قومی مسائل سے بھی وہ غافل نہیں رہے اور ان مسائل پر کالم لکھ کر ان مسائل کی نشاندہی کی ہے۔

ج۔ سفارشات

ا۔ ڈاکٹر انور سدید کی کالم نگاری کا اُردو کے دیگر ادیبوں کی کالم نگاری سے تقابل کیا جانا چاہیے۔

۲۔ ڈاکٹر انور سدید کے کالموں کا اسلوبیاتی جائزہ بھی لینا چاہیے۔

کتابیات

- روش ندیم،ڈاکٹر، پاکستان برطانوی غلامی سے امریکی غلامی تک،طیب اقبال پرنٹرز،۱۹۹۳ء
- سجاد نقوی، پروفیسر، پاکستانی ادب کے معمار(ڈاکٹر انور سدید: شخصیت اور فن)اکادمی ادبیات پاکستان H-8/1اسلام آباد،۲۰۱۰ء
- سلیم اختر،ڈاکٹر،اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ،سنگ میل پبلشرز لاہور،۲۰۱۰ء
- شفیق جالندھری،ڈاکٹر،اُردو کالم نویسی،اے ون پبلشرز الفضل مارکیٹ اُردو بازار،لاہور،۱۹۹۳ء
- شہزاد منظر، پاکستان میں اُردو ادب کی صورت حال،پورب اکادمی،اسلام آباد۲۰۱۴ء
- صفدر علی،ڈاکٹر،جدید اُردو صحافت،فارق سنز لاہور،۲۰۱۰ء
- محمد اسلم ڈوگر،فیچر کالم اور اداریہ، مقتدرہ قومی زبان پاکستان اسلام آباد،۱۹۹۸ء
- مسکین علی حجازی،ڈاکٹر،پنجاب میں اُردو صحافت، مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی لاہور، س ن
- محمد فاروق قریشی،ڈاکٹر، پاکستان،جمہوریت کا زوال، مکتبہ فکر و دانش،لاہور، س ن
- محمد رفیق ڈوگر، سول اور فوجی سازشیں،دید شنید پبلشرز،لاہور۱۹۹۶ء
- ہمایوں ادیب، صحافت پاکستان میں، عزی پبلشرز اُردو بازار،لاہور، ۱۹۸۴ء

لغات

- جامع اللغات (جلد سوم)، جامع اللغات کمپنی،لاہور، س ن
- فرہنگ اصطلاحات جامعہ عثمانیہ، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، مطبع اظہار سنز پرنٹرز،لاہور، س ن
- نوراللغات (جلد دوم)، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد نیلاب پرنٹرز گوالمنڈی راولپنڈی، طبع سوم ۲۰۰۶ء
- Little oxford English dictionary, oxford University press New York, 2006
- Dictionary of literary terms by Harry Shaw MCGRAW Hill Book Company Newyork USA, 2007

اخبارات اور میگزین

- ہفت روزہ ''فیملی میگزین'' لاہور، ۱۹۹۹ء تا ۲۰۱۶ء
- روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور، ۱۹۹۹ء تا ۲۰۱۶ء
- ہفت روزہ ''ندائے ملت'' لاہور، ۲۰۰۴ء تا ۲۰۱۶ء

رسائل و جرائد

- سہ ماہی کتابی سلسلہ، اسالیب سرگودھا پاکستان، شمارہ نمبر ۲۳ ستمبر تا دسمبر ۲۰۱۶ء
- مزاحمتی ادب اُردو، مرتبہ ڈاکٹر رشید امجد، اکادمی ادبیات پاکستان H-8/1 اسلام آباد، ۱۹۹۵ء